ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین کی دینی اور اجتماعی کتابیں

اسلام کا اقتصادی نظام

وقت کی ایک انقلاب انگیز کتاب، جس میں اسلام کے معاشی نظام کا جامع نقشہ پیش کیا گیا ہے، چوتھا ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔

قیمت ؎، مجلد ؎

اسلام کا نظامِ مساجد

نظامِ مساجد کے تمام گوشوں پر دل پذیر بحث اور اس کی منفعتوں اور برکتوں کی تفصیل۔

قیمت ؎ مجلد ؎

اسلام کا نظامِ عفّت وعصمت

عفّت وعصمت اور اُن کے لوازم پر بصیرت افروز بحث اور نظامِ عفّت کی اسلامی خصوصیتوں کی دل پذیر تشریح، لائق مطالعہ کتاب، قیمت ؎ مجلد ؎۔

اسلام کا زرعی نظام

اسلام کے نظامِ زراعت پر ایک جامع کتاب، زمین کی تقسیم کے اصول اور خلافت راشدہ کے زمانے میں کاشتکاروں کے لئے جو سہولتیں فراہم کی گئی ہیں ان کی تفصیل

قیمت ؎ مجلد ؎

اِسلام میں غلامی کی حقیقت

مسئلہ غلامی کی تحقیق پر معرکۃ الآرا کتاب جس میں انفرادی اور اجتماعی غلامی کے ایک ایک پہلو پر اسلام کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے۔

(قیمت ؎ مجلد ؎)

قرآن اور تعمیرِ سیرت

ایک عظیم الشان اصلاحی کتاب

قرآن مجید کی تعلیم وتربیت کا انسانی سیرت کی تعمیر میں کیا دخل ہے اور اس کے ذریعہ سے اس سیرت وکردار کا کس طرح ظہور ہوتا ہے؟ یہ متبرک کتاب خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔

قیمت ؎ مجلد ؎

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق

علم الاخلاق پر مبسوط اور محققانہ کتاب، جس میں اصولِ اخلاق، فلسفۂ اخلاق اور انواعِ اخلاق کی دل پذیر تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جس سے اسلام کے مجموعۂ اخلاق کی برتری دوسری ملتوں پر ثابت ہوتا ہے۔ نظرثانی کیا ہوا تازہ ایڈیشن۔

قیمت ؎ مجلد ؎

ارشاداتِ نبوی کا لاثانی ذخیرہ

اردو زبان میں

ترجمان السنہ:- ہماری زبان میں ایسی جامع اور مستند کتاب آج تک وجود میں نہیں آئی تھی، اس میں حدیثوں کا عربی متن مع اعراب بھی ہے اور صاف وسلیس ترجمہ بھی، ساتھ ہی تشریحی اور تحقیقی نوٹ بھی ہیں۔ ترتیب میں کتاب التوحید کو پہلے رکھا گیا ہے اور پھر اسی مناسبت سے پوری کتاب کی ترتیب قائم کی گئی ہے، پہلی جلد کے شروع میں کئی سو صفحات کا ایک بصیرت افروز مقدمہ ہے۔

جلد اول قیمت ؎ مجلد ؎ جلد دوم قیمت ؎ مجلد ؎

فہم قرآن: قرآن مجید کے آسان ہونے کے کیا معنی ہیں، کلام ربانی کا قطعی منشاء معلوم کرنے کے لئے آنحضرت کے ارشادات واقوال کا معلوم کرنا کیوں ضروری ہے؟ یہ اس موضوع پر ایک بہترین تبلیغی اور اصلاحی کتاب ہے۔

قیمت ؎ مجلد ؎

وحی الٰہی: مسئلہ وحی کے تمام گوشوں کی دل پذیر تشریح، وحی کی حقیقت اور اس کی صداقت سمجھنے کے لئے لاجواب کتاب، نہایت نفیس۔ جدید ایڈیشن۔

قیمت ؎ مجلد ؎

مینیجر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی

برہان

جلد ۳۸ شمارہ ۳

مارچ ۱۹۵۷ء مطابق شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ

فہرست مضامین

نظرات	سعید احمد	۱۳۰
اسماعیل فرحی	جناب شیخ فرید برہان پوری لکچرار رابرٹسن کالج - جبل پور	۱۳۳
شعر عربی کی مختصر تاریخ	جناب ڈاکٹر غیب حسین ایم - اے پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فارسی - بریلی کالج - بریلی	۱۴۹
تزکِ بابری	جناب محمد رحیم صاحب دہلوی	۱۶۳
قومی اور جماعتی زندگی کے نفسیاتی مؤثرات	جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی	۱۷۵
ادبیات		
نالۂ سحری	جناب آثم مظفر نگری	۱۸۷
فرمودۂ قرآں!	زہرہ سخن سیدہ اختر	
غزل	جناب شمس نوید	
تبصرے	(س)	۱۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گذشتہ مہینہ کے نظرات پڑھ کر محب دیرینہ لفٹننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب نے جو علوم جدیدہ اور اسلامیات دونوں کے نامور اور متعارف فاضل ہیں ایک بہت طویل خط لکھا ہے جو "اسلام اور سائنس" پر ایک اچھا خاصہ مقالہ ہے ہم ذیل میں اس خط کے صرف چیدہ چیدہ ٹکڑے نقل کرتے ہیں جو متعلقہ نظرات پر حاشیہ یا منہیہ کی حیثیت رکھتے ہیں قارئین برہان کے لئے وہ دلچسپ بھی ہوں گے اور مفید بھی۔

موصوف لکھتے ہیں "برہان ملا۔ نظرات پڑھے۔ طبیعت پھڑک کر رہ گئی۔ سبحان اللہ! آپ نے کیا عمدہ بات لکھی ہے اس برِاعظم میں کتنے علامہ ہیں جو اس انداز سے فکر کرنے کے عادی ہیں۔ جس طرح آپ نے اس اہم پہلو پر غور فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں اس وقت مضمون لکھنے کے موڈ میں نہیں ہوں البتہ چند سطریں آپ کی تائید میں لکھتا ہوں۔ عنایت اللہ صاحب مشرقی (بانی تحریک خاکسار) اس صدی کے اوائل میں لندن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور سر جیمز جینز کے شاگرد تھے۔ اس زمانہ میں مادیت کا دور دورہ تھا اور سر جیمز خود بہت بڑا مادہ پرست تھا۔ ایک مرتبہ اتوار کے دن مشرقی صاحب نے دیکھا کہ سر جیمز انجیل بغل میں دبائے گرجا جا رہے ہیں۔ مشرقی صاحب نے پوچھا "تعلیم اور عمل میں یہ تضاد کیسا؟ سر جیمز نے کہا "شام کو چائے پر آؤ تو میں سمجھا دوں گا" مشرقی صاحب حسب قرارداد پہنچے سر جیمز نے کہا "مشرقی! تم تصور کرو کہ چھ گولے ہوا میں معلق ہیں۔ جو فضا میں ایک دوسرے کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور آپس میں ٹکراتے نہیں۔ پھر یہ بھی تصور کرو کہ ان گولوں میں سے ہر ایک گولہ کے ارد گرد اسی طرح کے اور چھ گولے ہیں جو اسی طرح ایک دوسرے کے ارد گرد گھوم رہے ہیں اور اسی تصور کو وسیع سے وسیع تر کرتے چلے جاؤ۔ پھر یہ بھی تصور کرو کہ ان میں کا ہر گولہ کرۂ ارض سے بڑا ہے۔ اب میں ان تمام باتوں پر غور کرتا ہوں تو پھر یہ کس طرح باور کر سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ یوں ہی ہو گیا اور ان کا کوئی صانع

اور خالق نہیں ہے" مشرقی صاحب بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے۔ بولے "یہ بات جو آپ نے کہی قرآن بھی تو یہی کہتا ہے" پوچھا "وہ کس طرح" جواب دیا "دیکھئے قرآن کہتا ہے۔" ومن الجبال جُدَدٌ بِیضٌ وحُمرٌ مُختلفٌ الوانها وغرابیب سودٌ = الآیہ۔ سر جیمز نے سن کر کہا کہ مشرقی! اگر یہ آیت قرآن میں ہے تو پھر میں بھی مسلمان ہوں" (مشرقی صاحب نے غالباً یہ آیت اختلاف و تعدد انواع اور اتحادِ نوع کی مناسبت سے پڑھی ورنہ جیمز نے جو بات کہی تھی اُسی مضمون کی قرآن میں دوسری آیتیں ہیں) (برہان)

یہ واقعہ بالکل سچا ہے۔ آپ اس پر غور فرمائیے حقیقت یہ ہے کہ سائنس نے اب انسان کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں خدا کو مانے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ ابھی چند روز ہوتے میں ایک کتاب Immanuel Volitcovsky جو Worlds in collision کی تصنیف ہے پڑھ رہا تھا مصنف نے اس میں تخلیقِ کائنات کی مذہبی روایات پر سائنس کے نقطۂ نظر سے بڑی عمدہ بحث کی ہے اور تاریخ میں ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے۔ آپ نے نظرات میں قیامت کے دن ہاتھ پاؤں کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔ الکسس کیرل کی کتاب Man the unknown آپ نے پڑھی ہے آپ نے دیکھا ہوگا وہ کس خوبی سے ثابت کرتا ہے کہ اگرچہ ہمارے اعمال کا اثر بظاہر زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ہمارے بدن اور ذہن پر اپنے ایسے اثرات اور نشانات چھوڑ جاتے ہیں جو قیامت تک فنا نہیں ہوتے۔

آپ نے انرجی کا ذکر کیا ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ ایٹم کی ایجاد کے بعد پرانا نظریہ بالکل بدل گیا ہے۔ اب مادہ اور انرجی دو متضاد چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ انرجی مادہ بنتی رہتی ہے اور مادہ انرجی۔ پہلے لوگ پوچھتے تھے کہ مادہ کہاں سے آیا اور کہتے تھے کہ مادہ کی حرکت سے انرجی پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ مادہ میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مادہ کی

حرکت سے نہ صرف انرجی پیدا ہوتی ہے بلکہ انرجی بھی ساتھ ساتھ مادہ بنتی چلی جاتی ہے۔ گویا مادیت کا خاتمہ خود مادیت کے ہاتوں ہو گیا۔

اب جو چیز رہ گئی وہ صرف انرجی ہی انرجی ہے یعنی روحانیت!

آپ نے ایٹم کے ذکر میں ایک مصرعہ "لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں" لکھا ہے تو یہ مصرعہ اقبال کا ہے۔ حال میں ایٹم کا جو پہلا فوٹو لیا گیا ہے وہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک کائنات ہے جو شمس دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ذرہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ مرزا عبدالقادر بیدل نے اس حقیقت کو پہلے ہی پالیا ہے۔ غور کیجئے کیا خوب لکھتے ہیں:۔

یقینم شد کہ در ہر قطرۂ جان ست ... نہاں در ہر کفِ ذرہ جہان ست

ایں دل حیرت سرا از نقش قدر تہا پرست ... ذرہ از سامانِ مہر و قطرہ از دریا پرست

اللہ اکبر! ایٹم تو اب مکعوس ہوا حقیقت پہلے ہی بیدل بیان کر گیا

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض ولا اصغر من ذالک ولا اکبر الا فی کتاب مبین ۰

آخر میں پھر ایک مرتبہ میں اظہار مسرت کرتا ہوں اور آپ کے نظرات کی داد دیتا ہوں کہ آپ نے بڑے اہم معاملہ کی طرف توجہ دلائی۔"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک جدید علم الکلام کی کتنی شدید ضرورت ہے جس میں سائنس اور دوسرے علوم جدیدہ کی روشنی میں قدیم علم الکلام کی طرح صرف اسلام کے مابعد الطبیعاتی مسائل سے بحث نہ ہو۔ بلکہ اُس کی عملی۔ اخلاقی اور معاشرتی و معاشی تعلیمات سے بھی بحث ہو۔ فرمایا گیا تھا "کلموا الناس حسب عقولھم" اس پر گلوں نے اس طرح عمل کیا کہ فلسفۂ قدیم کی زبان میں گفتگو کی۔ لیکن اب یہ زبان بدل گئی ہے اور اس کی جگہ سائنس اور علومِ جدیدہ نے لے لی ہے تو ضرورت ہے کہ اس نئی زبان میں گفتگو کا سلیقہ پیدا کیا جائے اور یہ وہی کر سکتا ہے جو علومِ اسلامیہ اور علومِ جدیدہ دونوں سے واقف ہو۔

اسماعیل فرحی

از

جناب شیخ فرید برہان پوری
(لکچرار۔ رابرٹسن کالج۔ جبل پور)

"بزرگانِ دین اور اولیائے عظام کے ملفوظات کی جہاں دینی برکت اور مذہبی اہمیت مسلم ہے۔ وہاں اُن کی تاریخی عظمت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ان ملفوظات سے صاحبانِ ملفوظ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔ خاص خاص اوقات میں ان روشن ضمیروں پر جو کیفیات طاری ہوئی ہیں۔ اُن کا ذکر و مطالعہ ہمارے لئے باعثِ خیر و برکت اور موعظت و روحانیت کا موجب ہوتا ہے۔ اِن کی زبان فیض ترجمان سے جو کلمات وقتاً فوقتاً صادر ہوئے ہیں۔ وہ ہماری زبان کے ارتقائی پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں"[1]

ان بزرگوں کا طریق یہ تھا۔ کہ مسندِ درس پر یا غیر اوقات میں زبانِ خوارق بیان سے سیر و سلوک کے نکتہ ہائے عجیب اور اشاراتِ غریب۔ آیات اور احادیث کی تفسیر و تشریح۔ مختلف آیات کا شانِ نزول مقاماتِ عروج و نزولِ صوفیہ اور اُن کے اسرار و عقاید بیان کرتے تھے تا کسی بہ عقیدت کیش کو اُن کی ترتیب و تبویب اور تہذیب و تدوین کی سعادت حاصل ہو جاتی تھی۔

ایک سندھی الاصل ―――― ایلچ پوری المولد ―――― اور برہان پوری الموطن والمدفن ―――― بزرگ ―――― حضرت شاہ عیسیٰ جنداللہ ―――― (مسیح الاولیاء)[2] ―――― کے ملفوظات اُن کے ایک مُرید ―――― اسماعیل ابن محمود سندھی القادری الشطاری الفرحی نے ترتیب دئے ہیں۔ اور کشف الحقایق[3] نام رکھا ہے۔

---

[1] ماخوذ از بزم صوفیہ [2] مسیح الاولیاء کے حالات کے لئے ملاحظہ کیجئے ―――― "شاہ عیسیٰ جنداللہ" معارف ستمبر ۵۶ء اور "فارسی ادب کے ارتقا میں برہان پور کا حصہ" کل ہند تعلیمی کانفرنس ۵۳ء ناگپور۔

[3] کشف الحقایق کا ایک ناقص الآخر نسخہ حضرت مولوی سید احکام اللہ صاحب (برہان پور) کے نادر ذخیرہ مخطوطات میں محفوظ ہے حضرت موصوف نے ازرہِ لطف و کرم اصل نسخہ اور اس کی ایک خوش خط نقل عنایت کی ہے۔

کشف الحقایق سے صاحب ملفوظ اور جامع ملفوظ ــــــــ دونوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ضمناً صاحب ملفوظ ــــــــ حضرت شاہ عیسیٰ جند اللہؒ کے پیر و مرشد ــــــــ حضرت شاہ لشکر محمدؒ عارف اور ان کے دو بھائیوں ــــــــ شیخ سلیمان سیفی اور شیخ محمد عثمان کا بھی ذکر آجاتا ہے، سطورِ ذیل میں جامع ملفوظ کے مختصر حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ جو کشف الحقایق کی روشنی میں مرتب کئے گئے ہیں۔

برار کے حاکم ــــــــ تفاول خاں ــــــــ کے انتقال کے بعد جب مسیح الاولیار کا خاندان برہان پور آ کر سکونت پذیر ہوا تو شیخ محمود سندھی ۔ فرحیؔ کے والد بھی اُن کے قرب میں آ کر بس گئے، فرحیؔ بُرہان پور میں پیدا ہوئے۔

فرحیؔ کی پیدائش کی صحیح تاریخ نہ معلوم ہو سکی۔ قیاساً گیارہویں صدی ہجری کے اوّل عشرہ کا پہلا حصہ ہوگا۔ کشف الحقایق میں فرحیؔ نے لکھا ہے۔ کہ وہ مُرید ہونے کے بعد بیس[2] سال تک روزانہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد حضرت مسیح کی خدمت میں بلا ناغہ حاضر ہوتا رہا۔

"ایں فقیر بست سال بعد از مرید شدن ہر روز گاہے قبلہ گاہی بعد نماز فجر و عصر مشرف در ملازمت می شد و لیحاناً ناغہ می گشت"[1]

اور فرحیؔ کی حاضری کا یہ دستور سنہ ۱۰۳۱ھ / سنہ ۱۶۲۲ء تک جاری رہا۔ اِس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب سنہ ۱۰۱۱ھ / سنہ ۱۶۰۲ء میں اسماعیل تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گیا ہوگا۔ اُسے حضرت موصوف کی خدمت میں پیش کیا گیا ہوگا ــــــــ

اُس زمانہ میں آغاز تحصیل علوم کی عمر عموماً پانچ یا چھ سال کی ہوتی تھی۔ اکثر تسمیہ کے بعد تعلیم شروع کر دی جاتی تھی۔ اس حساب سے سنہ ۱۰۰۵ھ / سنہ ۱۵۹۶ء یا سنہ ۱۰۰۶ھ / سنہ ۱۵۹۷ء فرحیؔ کا سال پیدائش قرار دیا جا سکتا ہے۔

مستند مواد کی عدم موجودگی میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ــــــــ فرحیؔ جب

۱۔ کشف الحقایق ورق ۸۹ ۔ ۲۔ تاریخ وفات حضرت شاہ عیسےٰ ۔ کشف الحقایق ورق ۹۶ ب۔

حضرت مسیح الاولیار کے حلقۂ درس میں شامل ہوا تو حضرت نے کمال توجہ اور محبت سے اس کی تعلیم و تربیت کی۔ مختصر عرصہ میں اُس نے علومِ ظاہری میں کمال حاصل کرلیا۔ حضرت نے اس کو فنِ شعر میں علم قافیہ۔ عروض اور دیگر نکاتِ شعری سے باخبر کردیا۔ فرحی تخلص اور ابو الفرح لقب عطا کیا۔

اس "لطفِ خاص" کے سلسلہ میں فرحی نے کشف الحقایق میں لکھا ہے ———

"براین ضعیف بسیار لطف و کرم نمودہ کتابِ رشحات از خانہ طلبیدہ درگوشۂ آں بہ خطِ مبارکِ خود کتبہ ....

.... بنام باکنیت، ولقب باین عبارت نوشتہ عنایت فرمودند ....

باسمہ سبحان الذی ھو الصلاۃ یبلی من استحقھا ھذا الکتاب الرشحات الالٰھیہ من المشائخ الربانیہ قد وھبت الولد العزیز ابی الفرح سراج الدین اسماعیل بن محمود صانہ اللّٰہ شانہ، وصلہ سبحانہ الٰی ما دائہ عن غیرۃ بجاہ النبی والہ وصحبہ ومن تبعہ الٰی یوم الدین:۔

مورخہ ۲ شہر شوال ۱۰۲۵ھ [1]

یہ واقعہ ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء کا ہے۔ غالباً فرحی کے عنفوانِ شباب کا زمانہ ہوگا۔

اس کنیت کی رعایت سے اس نے اپنا تخلص فرحی رکھ لیا۔ فرحی کی خوش نصیبی تھی۔ کہ اُسے حضرت موصوف سے مستفیض ہونے کے لئے بتیس[2] سال کی طولانی صحبت اور مدت نصیب ہوئی اس "عمرِ عزیز" کا ایک لمحہ تلف کئے بغیر اس نے اپنی قابلیتوں اور صلاحیتوں کی تہذیب و تربیت میں کوتاہی نہیں کی۔ اور آخر کار علومِ ظاہر و باطن کا فاضل اجل۔ صاحبِ دل صوفی اور شعر و ادب میں بلند پایہ ناظم و نثار بن گیا۔

اس قطرہ کو گہر بننے تک جو کچھ گذرا۔ اس کی تفصیلات کشف الحقایق میں مرقوم ہیں۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ "مدرسۂ کلاں"[3] کی تعمیر کے دوران میں فرحی نے چاہا۔ کہ درویشوں

---

[1] ایضاً ورق ۱۱۶ [2] شوال ۱۰۲۵ھ / ۳ اکتوبر ۱۶۱۶ء جمعرات [3] حضرت مسیح الاولیار خانقاہ اور مدرسہ میں درس دیتے تھے۔ جب طلبار کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تو دوسرے مدرسہ کی تعمیر شروع کی گئی۔ اس مدرسہ کی تعمیر میں تمام طالب علموں نے حصہ لیا۔

کی اعانت کرے۔ حضرت مسیح نے جو اس وقت شیخ محمد صدیق (کابلی) عین المعانی[1] کا درس دے رہے تھے۔ "ازرہِ لطف و کرم" ہاتھ کے اشارہ سے بلا کر کہا۔ کہ

"شما باین کار مشغول شوید یعنی بہ سماع سبق شیخ محمد صدیق"[2]

عین المعانی کے درس کے دوران میں تمام نکاتِ حقیقت و معرفت نہایت توجہ سے فرحی کو سمجھاتے رہے۔

ایک روز عین المعانی کا درس دے رہے تھے۔ جب مسئلہ تجددِ امثال کی بحث شروع کی تو فرحی نے عرض کیا۔ کہ اس ضعیف پر یہ مسئلہ حل نہیں ہوا۔ حضرت موصوف نے کہا اس میں کچھ مشکل نہیں ہے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ اولیاء کو بھی اس کیفیت کی اطلاع نہیں مگر فرحی کے چہرے پر حزن و مایوسی کے آثار دیکھ کر ایک "نظرِ کیمیا اثر" میں اس کیفیت سے آگاہی بخشی[3]

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ حضرت مسیح نے عالم متبحر ملا عبدالعزیز (لاہوری) کو اُن کے وطن بھیجنا چاہا۔ جب اُن کو بلا کر خاص طور سے نصیحت کی۔ تو اس وقت صرف فرحی کو شریک صحبت رکھا۔ پیر و مرشد کے تعلقات اور مسئلہ وحدت کے علاوہ دیگر "اسرارِ غامض"[4] بیان کر کے رخصت کیا۔

ہم یہاں صرف ان دو تین واقعات پر اکتفا کرتے ہیں۔

فرحی نے پہلی مرتبہ ذی الحجہ کے تیسرے ہفتہ میں ۱۰۳۲ھ/۱۶۲۳ء میں سفر کیا۔ اور دو سال تک شمالی ہند اور پنجاب وغیرہ کی سیر کی۔ اور لوٹ آیا۔ اور پھر جلد ہی عازمِ سفر ہوا اور سات سال تک اطرافِ ہند کی سیر کرتا رہا۔ اور کشمیر و کانگڑہ تک پہنچا۔ ہر جگہ کے باکمال صوفیاء۔ علماء اور شعراء سے ملاقات کی سیر و سفر کے جستہ جستہ واقعات بھی لکھے ہیں دورانِ سفر میں مخزنِ دعوت لکھی۔

کشف الحقائق میں مسطور ہے کہ

"وقتے کہ بعد از وصالِ حضرت پیر دستگیر یک سال دو ماہ بگذشت کہ این فقیر بحکم "قل سیروا فی

---

[1] حضرت مسیح الاولیاء کی ایک نادرِ روزگار تصنیف ــــ اسمائے جلالی و جمالی کی بسیط شرح ہے۔
[2] کشف الحقائق ورق ۹۳ب [3] ایضاً ورق ۱۱۰ [4] ایضاً ورق ۹۴ تا ۹۶ [5] حضرت مسیح کا انتقال ۱۵ ر شوال ۱۰۳۱ھ کو ہوا اور ایک سال دو ماہ بعد یعنی ۱۵ ر ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ بمطابق منگل ۳۰ ستمبر ۱۶۲۳ء کے بعد یہ سفر شروع کیا۔

الارض فانظر وکیف بد الخلق" برائے دیدن مظاہر حق وملاقاتِ درویشاں بزادِ بوم کہ خود شہر برہان پوراست۔ مرتبۂ اول دو سال وبمرتبۂ ثانی ہفت سال در ہندوستان و پنجاب وکانگڑہ وکشمیر در زمانۂ جہانگیر بادشہ شہر بہ شہر گردیدند ومشائخ آں شہر را بدید۔

دریں اثناء چوں عبور و مرور فقیر بہ شہر کشمیر واقع شد دریں جا حبیب را بسیار تحقیق نمود د آخرش نیافت و بعد از مراجعتِ کشمیر وقتے کہ در قصبۂ بجوارہ سیر نمودہ شد۔ آنجا محمد یوسف کشمیری خبر تحقیق یافت کہ حبیب در کشمیر بود و در قصبۂ آں بود و او بعد از آمدن از خدمتِ حضرت مسیح مرشد صاحب تصرف وخوارقِ عادات شد۔ خانقاہ بنا کرد ومردم بسیار از و فیض گرفتہ اند و نام خود را بنام مرشدِ خود بدل کردہ بود و در آں وصال شد"[1]

ایک اور مقام پر پنجاب اور کشمیر کی صعوبت گذار مسافرت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ مریدوں میں عین المعانی کی مقبولیت کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ حوالہ (Refarencl) کی کتاب بن گئی تھی۔ مسیح الاولیاء کے "وصال" کے بعد فرحی تیس[۳۰] سال تک زندہ رہا۔ اُس نے ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۰ء میں وفات پائی۔

حضرت مسیح کی صحبت میں فرحی نے علم شعر وادب میں کافی دستگاہ حاصل کرلی تھی۔ اس کے ذہنی کارناموں میں سے صرف دو کا ہم کو علم ہے۔

(۱) کشف الحقایق

(۲) مخزنِ دعوت

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ نظم ونثر کے دوسرے جواہرات زمانہ کے بے رحم ہاتھوں برباد ہوگئے۔ کشف الحقایق میں جو نظمیں اور جستہ جستہ اشعار ہیں سطورِ ذیل میں ان کو پیش کیا جارہا ہے۔

کشف الحقایق کی ابتدا، صوفیانہ عربی آمیز مسجع اور مرصع عبارت سے ہوتی ہے۔ حمد میں ذیل کا شعر ہے

یقیں می داں کہ ایں چندیں عجائب زبہرِ یک دلِ بینا نہادند

[1] ایضاً ورق ۱۲۳

نعت میں بیس۲۰ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی کہی ہے۔

مثنوی

محمد کہ بدرِ منیر آمدہ — بہر دو جہاں بے نظیر آمدہ
چہ بدرے کہ از نورِ او آفتاب — بود بر چہارم فلک نور یاب
نہ بل آفتاب و مہ ہر چہ ہست — ز نورِ لطیفش ہمہ نقش بست
بنازم بداں شاہِ دنیا و دیں — کہ دارد دو عالم بہ زیرِ نگیں
شریعت کہ فرمان (آن) شہ بود — بجا آرد آں کس کہ آگہ بود
طریقت کہ آئینِ آن سرور است — بود شمعِ راہِ دلِ حق پرست
حقیقت کہ آں عینِ احوالِ اوست — نگنجد درو ہیچ جز وصلِ دوست
ہمو کارسازِ دل و دینِ ماست — ہمو مونسِ جانِ غمگینِ ماست
سزد گر نداریم خوف از جحیم — چو او بر سرِ ماست مارا چہ بیم
بہر قریہ و شہر غوغائے اوست — کہ روحِ مجسم سراپائے اوست
تنِ او نبودے اگر روحِ پاک — فتادے ازو سایہ بر روئے خاک
چہ سایہ نماند از و جمع را — چو روشن کند نورِ او شمع را
چوں آں سرِ نورِ خدائیست و بس — چساں بر تنِ او نشیند مگس
ملامت بہ بختِ خود آورد پیش — بنالد ہمی دستِ حسرت بخویش
شدہ خوں ازیں حسرت او را جگر — ازاں می زند دست ہر جا بہ سر
چو او بہترینِ خلایق بود — جز او نامِ او را کہ لایق بود
دگر مرحبائیش زحرفِ فضول — کجا فکرتِ تو و نعتِ رسول
رسولے کہ مدحش بگوید خدا — کجا نعت گفتن توانی ورا
تو و نعتِ او ایں چہ حرفے بود — کہ دریا نہ درخوردِ ظرفے بود

بیانِ نعت رسول میں اپنی درماندگی اور عجز کے اعتراف کے بعد اپنے پیر و مرشد کی منقبت میں ایک مثنوی کہی ہے۔ جو بائیس ابیات پر مشتمل ہے۔

مدحِ پیرِ دستگیر

زہے غوثِ اعظم کہ از فیضِ رحماں — زند جوشِ ہر دم بہ ایجادِ امکاں
زبدرِ جبینش چنیں نورِ احمد — ز لطفِ کلامش عیاں سرِ قرآں
زبارانِ فیضش دلِ ہر مریدے — صدف وار پُر شد ز لولوئے عرفاں
بہ گل زارِ عالم دلِ اوست دائم — ز فیضِ حقیقی چو فوّارہ جوشاں
بہ طوفش چہ گویم کہ بجز نسبت مطلق — منزّہ ز وصفِ اضافاتِ امکاں
ظہورش چہ گویم کہ در ہر دو عالم — ہمون است ... کس ومرایائے اعیان (؟)
زکُنہِ کمالش دلِ من چہ یابد — حبابے چہ گوید ز دریائے عمّان
زہے آفتابے حقیقے کہ دائم — بتابد بذرّاتِ کونین یکساں
شب و روز رُویش چو گل بر شگفتہ — نوائیش بہ ہر سو چو بلبل ہزاراں
زہے رہنمائے کہ در راہِ وحدت — شدہ پیشوائے ہمہ پیشوایاں
حقایق پناہا! بہ صدرِ حقیقت — بجز تو نزیبد ز افرادِ انساں
زہیچ نگاہے تو افسردہ زاہد — بجذبِ انا الحق زند جوشِ افغاں
مریدِ تو ہر یک بہ بزمِ مشائخ — چو در دیدہ بینش چو در قلب ایماں [1]
بہ سوزِ فراقِ تو جنّت جہنّم — بہ بوئے وصالِ تو گلخن گلستاں
کسے را کہ بارِ فراقِ تو خستہ — مساوی بود تلخ و شیرینِ دوراں
باسمِ مسیحاہ کردند زاں رو — کہ احیائے دل ہا بود بر تو آساں
بپائے تو از دیدہ نعلین سازم — شرَر کش بہ بندم۔ ز نم دیدہ رنجاں
مگر گاہے از لطف پوشیدہ آئی — بہ صحنِ دلِ من خراماں خراماں

[1] تشبیہ کی ندرت ملاحظہ کیجئے۔

بیاید دلے گو خیالے تو دارد | کہ چوں قلبِ مومن بود عرشِ رحماں
چہ داند ترا آنکہ محبوس ماند | تہ بند سہ پنج و ایں چار ارکاں
کسے کو ازینہا بروں خرامد | تواند ترا دیدلے جانِ جاناں
تو آنی کہ وقتِ تکلم ز فرحیؔ | کنی آشکارا چنیں سِترِ پنہاں

یہ ایک خدارسیدہ صوفی۔ عالم متبحّر بزرگ کی مدح ہے۔ تصوف کی اصطلاح میں عارفانہ اشارات۔ کمالِ محبت۔ ادب اور سلیقہ سے نظم کئے گئے ہیں۔

کشف الحقایق کی تالیف کے سلسلہ میں اپنے معاملات خدا کے سپرد کرتے ہوئے نثری مناجات کے بعد شاعر یوں التجا کرتا ہے:۔

اے کہ زمامِ ہمہ در دستِ تو | اُشتر ہر دل شیفتہ دل مستِ تو
ہست امیدم کہ توئی رہنما | تا دمِ آخر برہِ مصطفیٰ
چارہ بکن۔ چارہ کہ آوارہ ام | وائے اگر تو نہ کنی چارہ ام
آمدہ ام از خودیٔ خود بہ جاں | بینم نگہ کن زخودی و ارماں
ساز فتیلہ ز رگ و ریشہ ام | شمع فروز از دلِ غم پیشہ ام
چاشنیٔ لذتِ دیدار بخش | بے من و ما قوتِ گفتار بخش
از ہمہ سو ساز دلم سوئے خویش | در رُخ ہر ذرّہ نما روئے خویش
دلِ فرحیؔ تو از نور کن | محو خود ساز و زخود دور کن

ان طویل منظوماتِ نعت و منقبت اور مناجات کے علاوہ فرحیؔ کی اور کوئی طویل نظم زیرِ نظر مخطوطہ میں نہیں ہے۔

اُس مشہور زمین کے قصیدہ کے صرف دو شعر ملتے ہیں۔ جس میں خاقانی، نظامی، خسروؔ اور دیگر مشاہیر شعراء نے اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔

دلے کو راتو در جان ہمیشہ ذوقِ دین داری | نہ ناقص آمد از چیزے چو کامل ہست ایمانش
چو آدم راز عصیاں ہر دو چشمش جو یبار آمد | شگفتہ انبیاء و اولیاء در صحنِ بستانش

فرحیؔ نے یہ اشعار اُس موقعہ پر نقل کئے ہیں۔ جہاں اُس نے یہ لکھا ہے۔ کہ خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت آدمؑ کے جنت سے نکلنے میں انبیاء۔ اولیاء، اور مومنین کے ظہور و آفرینش کا رازِ پنہاں تھا۔

ذیل میں وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ جو جستہ جستہ مقامات پر شاعر نے موقع محل کی مناسبت سے چسپاں کر دئے ہیں۔ اور وہ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اُسی موقع کے لئے کہے گئے ہیں۔

نگارشِ ملفوظ کی اہمیت کے پیشِ نظر انکساری کے طور پر اپنی کوتاہ قلمی کے اعتراف میں لکھا ہے۔

خیالِ حوصلۂ بحر می پَزم ہیہات   چہاست در سرِ ایں قطرۂ محال اندیش

اب اس قطرۂ محال اندیش کی جسارت دیکھئے۔ کہ جب کام شروع کر دیا تو فرشتہ کو مخاطب کر کے احتیاط کی تاکید کرتا ہے۔

ملک! بہ عرصۂ معشوق پا منہ گستاخ   کہ زلفِ حور دراں جلوہ گاہ جاروب است

اِس احتیاط کے بعد تالیف کے سلسلہ میں تمام معاملات خدا کے سپرد کر دئے ہیں۔

وادیِ سلوک و مجاہدہ کو "بادیۂ خون آشام اور بیابانِ پُر دد و دام" سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ رہنما کے بغیر اس وادیِ پُر خطر سے گذر کر منزلِ مقصود تک رسائی ناممکن ہے۔

ہادئی جو کہ دریں بادیۂ خوں آشام   رہ بہ منزل نہ بَرد ہیچ کسے بے رہبر

"سلوک و طریقت" کی منزل میں رہ روی کی تجربہ کاری دیکھئے۔ سالک کو نصیحت کرتے ہیں۔ کہ جب وہ رہبرِ کامل کی تلاش میں نکلے تو "مختصر ترین" زادِ سفر لے۔ اور وہ کیا ہو سکتا ہے؟

رُو بہ غربت دارم و داغِ تو بر دل می بَرم   بارِ ہجرانِ ترا منزل بہ منزل می برم

"تواضع اور رغبت" کے فرق کو سمجھاتے ہوئے "طمع" کے حروف کے اشارے سے ایک نادر مثال پیش کی ہے۔ اور "طمع را سہ حرف وہر سہ تہی" کی عام راہ سے ہٹ کر اپنی ایک الگ راہ نکالی ہے۔

طمع شوم از نقط خالی   چوں درختے ست بے گل و بار

دوسری جگہ کیا عمدہ بات کہی ہے :-

نقطِ را نیرنگ می آید کہ بگردِ طمع نمی گردد

بے ثباتیٔ دنیا کتنا پامال مضمون ہے۔ اِس موضوع پر ہمارے شاعروں نے مضامین کے انبار لگا دئیے ہیں۔ فرحی کا اسلوبِ بیان دیکھئے ——— کہ تمثیل کی ندرت اور اندازِ بیان کی بے ساختگی نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی ہے ؎

ایں جہاں بر مثالِ آں کہ فتد ؎ بر بدن از حصیر نقش و نگار

بعد یک چند در نظر آید ؎ نہ از و بیخ بود و نے آثار

دنیا کو جو "باغِ سیمیا" ہے۔ زمین پر چٹائی کے نشانات سے تشبیہ دی ہے۔

تصوّف کی دنیا میں کامل و ناقص کا فرق۔ جذبِ منصوری اور کلمۂ انا الحق عام ہیں۔ فرحی نے اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ جذبِ منصوری اُس کو عطا ہوتا ہے جس کا دین کامل ہو ــ

شود چوں اہلِ دیں کامل ؎ دہندش جذبِ منصوری

ولے در ہر دلِ ناقص ؎ ازاں انکار می روید

عارفوں کا قبلہ دیکھئے :-

فرحیا! ہر سو کہ بینی روئے اورا سجدہ کن ؎ کیں عبادت را بہ یک سو در جہاں محراب نیست

شعرِ بالا میں "شہودِ مارأیت شیاء الا رایت اللہ فیہ" کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔

احسان کرنے کے بعد اس کو جتلانا بُرا ہے۔ کیوں کہ اس سے انسان کو ایذا پہنچتی ہے۔

چوں مروّت می کنی۔ باکس۔ بر و منّت منہ ؎ زاں کہ کارِ نیکو آں حسبۃً للہ نیست

کثرت میں وحدت کا جلوہ دیکھنے والے کی شان میں لکھا ہے۔ کہ عارف کو چاہیئے کہ بیعت و دعوت کے دوران میں بے بصیرت نہ ہو"دعوتِ بصیرت" عام نہیں۔

داعی کو چاہیئے۔ کہ کثرت سے وحدت کی طرف دعوت دے۔ اور یہ مقامِ عارفِ منتہی کو حاصل ہوتا ہے۔

جلوۂ وحدت بہ کثرت ہر کہ بیند در جہاں
عارفِ باللہ گشتا وعاشق جانگاہ نیست

دنیا کے ذرّے ذرّے سے خدا کا جلوہ ظاہر ہے۔ "خارجی تعینات" کی صورت میں "اسرارِ الٰہی" ہویدا ہیں:۔

چوں صفاتِ ذات اوراہر یکے جلوہ نمود
پس چرا آگہ نباشی۔ زانچہ داری نقد خویش

"وحدتِ وجود" کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

ماسوا گر نہ تجلیِ ظہورش نگری
ایں وآں جلوہ کند پیشِ تو اصنامے چند

ایک اور جگہ لکھا ہے

آفتاب بہ بیں بہ چشمِ شہود
تا بدانی کہ آفتاب است ایں

"دوش وقتِ سحر از غصہ نجاتم دادند" والی بات فرحی پر بھی گذری۔ ابتدائے احوالِ سلوک میں دل میں "خطراتِ بے ہودہ" کے ہجوم کی وجہ سے فرحی پر "قبض" کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ رمضان میں ایک رات کے آخر حصہ میں ——— (جب کہ حضرت مسیح الاولیاء اعتکاف میں تھے) ——— اُن کے حجرے میں داخل ہوکر "دل تنگی" کا ماجرا بیان کیا۔ "مرشدانہ کرم" کی ایک نظر نے اُس کے دل سے "قبض" کو دور کردیا۔

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اس رات کی تعریف فرحی نے ذیل کے شعر میں بیان کی ہے:۔

بود آں شب۔ شبے قدرے نزدِ من عزیز
زان کہ در وے فیضِ پیرم[1] ساخت اہلِ نسبتم

مندرجہ بالا منظومات اور اشعار کے علاوہ ہمیں فرحی کا اور کلام دستیاب نہ ہوسکا۔

زیرِ نظر مخطوطہ ——— "کشف الحقایق" کے باب سوم کے درمیانی حصے کے نو ورق غائب ہیں۔ آخری حصہ بھی ناقص ہے۔ ممکن ہے اُن اوراق میں چند اشعار ہوں۔ فرحی کی دوسری تصنیف۔ مخزنِ دعوت میں اشعار ہوں گے۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے کتب خانے کی "فہرستِ کتب فارسی" سے مخزنِ دعوت کے متعلق حسب ذیل معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

[1] فیضِ پیر کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے کشف الحقایق ورق ۱۱۹ ب

مخزنِ دعوت :-

مخزنِ دعوت شطاری اذکار پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ فرحی نے ہندوستان کے مختلف صوبوں میں طویل سفر کے بعد ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں یہ کتاب لکھی۔

یہ کتاب حضرت شاہ عیسٰے مسیح الاولیاء کے نام معنون ہے۔ کتاب میں غوث گوالیاری کا بھی ذکر ہے۔ یہ رسالہ "حصن الحصین"، "کشف الانوار"، اسرار الدعوت۔ اورادِ صوفیہ پر مبنی ہے۔

کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے :-

۱۔ اذان و استنجاء و وضو و غسل۔

۲۔ استخارہ و فالِ مصحف۔

۳۔ دعوتِ اسماءِ عظام۔

۴۔ ضبطِ اعرابِ اسمار اصول و بعضے ادعیہ۔

۵۔ اذکار۔

۶۔ مراقبات۔

۷۔ بیعت کردن و کلاہ و خرقہ دادن و اوصافِ پیر و مرید تعریفِ خلوت و عزات و فوائد و آدابِ آں۔

کشف الحقایق :-

"کشف الحقایق" حضرت شاہ عیسٰے جُند اللہ کا ملفوظ ہے۔ اس کتاب سے جامع ملفوظ ——— فرحی ——— کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ضمناً حضرت موصوف کے مرشد ——— حضرت شاہ لشکر محمد عارف ——— ان کے دو بھائیوں ——— شیخ محمد عثمان[1] ——— اور شیخ سلیمان سیفی ——— درویشوں۔ مریدوں۔ عقیدت مندوں

---

[1] حالات و تصانیف کے لئے ملاحظہ کیجئے راقم السطور کا مقالہ ——— فارسی ادب کے ارتقا میں برہان پور کا حصہ (کل ہند تعلیمی کانفرنس ۱۹۷۵ء ناگپور)

[——— (جن میں عوام اور خواص) ——— دونوں شامل ہیں] کا ذکر ہے۔

"کشف الحقایق" میں اُن معاملات۔ مکاشفات اور تصرفات کا بیان ہے جو صحت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں۔ یا جامع ملفوظ کی موجودگی میں واقع ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح الاولیاً ——— صاحبِ ملفوظ ——— کے مرید ہونے سے قبل اور بعد کے روحانی کیفیات کا بیان ہے۔ ان کے خوارق عادات۔ طریقِ بیعت اور درس کا تفصیلی ذکر ہے۔ پیری مریدی کے آداب مرشد کا ادب۔ اس کی ضرورت۔ طلبِ صادق اور طالبِ صادق۔ عارف۔ عبادت۔ صوفی۔ فنا و بقا۔ باطن کی جلا وغیرہ رموزِ تصوّف کی نہایت عمدگی سے وضاحت کی گئی ہے۔

صوفی۔ عبادت۔ مخلوقات۔ انسان۔ صراطِ مستقیم۔ توکل۔ فقر وغیرہ کی بالکل اچھوتے انداز میں تعریف کی گئی ہے۔

ہر بیان اور اس کے مفہوم کو آسان اور اثر خیز تمثیلات سے واضح کیا گیا ہے۔

مسجد و مدرسے میں طریقِ درس کی تفصیلات کے علاوہ خانقاہ اور اُس کے طریقِ زندگی کی جھلکیاں بھی اس میں نظر آتی ہیں۔ وہ بے فکر فقرا کا مرکز نہ تھی۔ جن پر ذیل کا شعر صادق آتا ہے ؎

زاہد نہ داشت تابِ جمالِ پری رُخاں کنجے گرفت و یادِ خدرا بہانہ ساخت

بلکہ وہ ایک تعلیمی اور کلچرل ادارہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ جہاں کا ہر فرد دینی اور دنیوی زندگی کے ہر نیک پہلو پر عمل پیرا تھا۔

زیرِ نظر ناقص الآخر مخطوطہ کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

"سپاس بلاغایت و ستائش بلا نہایت سزائے ذاتے کہ بحکم مشیتش مشاطۂ فیض را مطلق مخدراۂ شیو ذاتے را کہ بخلوتِ خانۂ غیب ہویت را در شبستان سرائے فیضِ اقدس در آوردہ و شکل و شمائلِ نازنینِ ایشاں را بوجہ اجمال و تفصیل مشاہدہ نمودہ"

اس کے بعد حمد۔ حمد کے بعد ۲۸ اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ مثنوی اور اس کے بعد پیر و مرشد کی منقبت میں ایک مثنوی کہی ہے۔

منقبتِ پیر کے بعد سببِ تالیف یوں بیان کیا ہے۔

"اسماعیل ابن محمود سندھی القادری الشطاری الفرحی کہ از حضرت دستگیر مسکینے بابے الفرح ملقب بہ سراج ست می گوید کہ چوں ایشاں در اکثر اوقات بر مسند درس و غیر آں اند زبانِ خوارق بیان نکتہ ہائے عجیب و اشاراتِ غریب در اطوار سیر و سلوک و مقاماتِ عروج و نزولِ صوفیہ قدس اللہ تعالےٰ سرہم عنایت می فرمودند و در اغلب بہ غلبۂ اتصاف و معیتِ حق سبحانہٗ و تعالےٰ تصرفاتِ حقیقی و مکاشفاتِ تحقیقی از وجودِ شریف حضرت ارشاد پناہی بوقوع آمدند۔ بنا بریں خاطرِ فاتر ایں ضعیف خطور می کرد۔ کہ کاشکے از مریدانِ فاضل و خلفائے مکمل ایں جواہر پُر صفا و دُرِ بے بہا بدستِ شوقِ ارادت فراہم آوردہ۔ برشتۂ قلم در کشند تا طالبِ علمانِ عقل و دانش و آرائے اربابِ حقیقت گردد۔ چوں مدتِ مدید و عہدِ بعید بریں آمد و ہیچ یکے از توفیق رفیق نشدہ۔ متصدی ایں کار گشتہ بانصرام رسانید و امورے کہ از حضرت بہ وقوع می آمدند چوں مرقوم و مسطور نمی گشتند۔ اکثر از یاد می رفتند۔ چنانچہ گفتہ اند ؎

سخن را بہ نوکِ قلم بند کن | کہ از یادِ مردم گریزد سخن

لاجرم در دلِ ایں فقیر گذشت کہ ہر چند مرا لیاقتِ آں نیست چنانچہ باید و شاید۔ ایں را توانم بجا آورد۔ اما بارے بہر نوع کہ میسر آید۔ غنیمت باید شمرد و پس با وجودِ قلتِ بضاعت و ضعفِ استطاعت در سنہ ہزار و بستم متصدی ایں کار گشتہ۔ نام ایں ملفوظ را "کشف الحقایق" نہادم"۔

اقتباسِ بالا سے ظاہر ہے۔ کہ جامع ملفوظ کے ذہن میں ایک عرصہ سے یہ خیال تھا۔ کہ کوئی مرید حضرت مسیح الاولیاء کے تصرفاتِ حقیقی اور مکاشفاتِ تحقیقی کو "طالبانِ عقل و دانش" کی ہدایت کے لئے ضبطِ تحریر میں لائے۔ مدتِ مدید تک یہ خواہش عمل کی صورت اختیار نہ کر سکی اور ضعیف الاستطاعت فرحی نے سنہ ۱۰۲۰ھ / سنہ ۱۶۱۱ء میں اس کام کو شروع کیا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ان ملفوظات کی ترتیب و تحفظ میں ارادت اور عقیدت کے نیک اور سعادت مند ہاتھوں نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ملفوظات کے جامع حضرات نے اپنے مرشد کے اقوال و گفتار کو جس طرح دیکھا اور سنا اُسی طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ اس احتیاط

سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ اشعار اور فقرات محفوظ ہوگئے۔ جو گاہے گاہے ان بزرگوں کی زبانِ فیض ترجمان سے ادا ہوتے تھے اور آج ہماری زبان کے ارتقائی پہلوؤں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ اُن سے صاحبانِ ملفوظ کی زندگی کے جزئیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

ملفوظ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

۱۔ بابِ اول۔

"دربیانِ زاد و بوم آبائی معظم واجدادِ مکرم حضرت قبلہ گاہی وانتقالِ ایشاں از وطنِ خود و مولد و مبعث وتحصیلِ علم پیر دستگیر۔"

۲۔ باب دوم۔

"در طلبِ حق وجستجو نمودن حضرت ایشاں مربیر اکسیر پُرتاشیر را و دریافتن وے۔"

۳۔ باب سوم۔

"در اشارات ونکات کہ بلسانِ معجز بیان حضرت شیخ منقبت بہ صدور پیوستہ۔"

۴۔ باب چہارم۔

"در معاملات ومکاشفات وتصرفاتِ حضرت ارشاد پناہی۔"

۵۔ باب پنجم۔

"در بیانِ ایں کہ حضرت سبحانہ وتعالےٰ بر سر ہر صد سالے کہ یکے از کملائے اولیاء مجددِ دین می گرداند۔"

جامع ملفوظ نے حضرت پیر و مرشد سے اعانت طلب کرنے کے بعد نگارشِ ملفوظ کی اہمیت اور بطور انکساری اپنی کوتاہ قلمی کے اعتراف کو یوں بیان کیا ہے:۔

"بوالعجب کاریست کہ کجا حوصلۂ ایں فقیر سرگشتہ وآوارہ وکجا نوادرِ معلوماتِ ہادیٔ ہر بے چارہ۔

خیالِ حوصلۂ بحر می پزم ہیہات چہاست در سر ایں قطرۂ محال اندیش

اور جب کام شروع کر دیا۔ تو ناظرین سے اغلاط کی چشم پوشی کی استدعا کی ہے اور دیباچہ مناجات پر ختم ہو جاتا ہے۔

تالیف کے سلسلہ میں فرشتہ کو مخاطب کرکے کہا ہے ؎

ملک بہ عرصۂ معشوق پامنہ گستاخ کہ زلفِ حور دراں جلوہ گاہ جاروب است

اس کے بعد مرتب نے کمال احترام و ادب سے "عرصۂ معشوق" کو سر کے بل طے کیا ہے۔ اس کی تفصیلات انشاء اللہ کسی آئندہ فرصت میں پیش کی جائیں گی۔

زیرِ نظر مخطوطہ ذیل کے واقعہ پر ختم ہوتا ہے۔

"اے عزیز! روزے حضرت بابا عبد الستار بہ حضرت پیر دستگیر عرض نمودند کہ امروز در بیداری حضرت اسد اللہ الغالب و مطلوب کل طالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ در حجرۂ من تشریف فرمودہ...." (باقی آئندہ)

قرآن نمبر کے بعد

ماہنامہ صبح صادق لکھنؤ کا

حدیث نمبر

جس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ:-

• حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلامی علوم میں کیا مرتبہ اور مقام ہے • مسلمانوں نے احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور ان کی تحقیق اور تنقید کے لئے کیسے قیمتی اصول مقرر کئے اور پھر ان قیمتی اصولوں سے کس احتیاط کے ساتھ کام لیا۔

یہ نمبر

علمِ حدیث، اصولِ حدیث، تاریخ حدیث، ضرورت اور اہمیت حدیث، فضائل و آدابِ حدیث سے متعلق مضامین کا ایک قابلِ قدر خزانہ ہے۔ اکابر محدثین کے شاندار کارنامے، ان کے اخلاق و کردار اور ائمہ حدیث کی مبارک سوانح حیات ان کی کتابوں پر جامع اور مفید تبصرہ کا اتنا بہترین مجموعہ بہت ممکن ہے اس سے قبل کبھی آپ کی نظر سے نہ گذرا ہو، آپ اس حدیث نمبر میں شکوک و شبہات کے مریضوں کے لئے یقین و اطمینان کا ایک بیش بہا سامان پائیں گے۔ ارکانِ ادارہ صبح صادق کے علاوہ جن جلیل القدر علماء نے اس نمبر میں حدیث کے ہر پہلو پر نظر ڈالی ہے ان میں سے بعض حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا عبد الباری ندوی، مولانا عبد السلام قدوائی، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا شاہ معین الدین احمد، مولانا حکیم محمد اسحاق، مولانا ابو الفرقان جونپوری۔

(نوٹ) حدیث نمبر کی قیمت افادہ کو وسیع سے وسیع تر کرنے کے لئے صرف دو روپے رکھی گئی ہے صبح صادق کا سالانہ چندہ چار روپے ہے جسے بھیج کر آپ حدیث نمبر بھی حاصل کیجئے۔ ڈاک خانہ کی بے احتیاطیوں سے بچنے کے لئے حدیث نمبر منگواتے وقت ہر صورت میں گیارہ (بارہ آنے) مزید رجسٹری کے لئے ضرور بھیجیں۔

پاکستان کے معاونین ذیل کے پتے پر اپنا چندہ بھیج کر ہمارے پاس منی آرڈر کی رسید روانہ فرمائیں۔ مولانا محمد ناظم صاحب شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاول پور پاکستان۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:- مکارم نگر لکھنؤ۔ یوپی۔ بھارت

شعر عربی کی مختصر تاریخ

دورِ اسلامی

از

جناب پروفیسر سید رغیب حسین ایم - اے - پی ایچ ڈی

(صدر شعبۂ فارسی - بریلی کالج - بریلی)

شہر مکہ میں عام الفیل میں ۹ ربیع اول (مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء) روز دوشنبہ کو حق تعالےٰ کی رحمت مجسم ہو کر خواجہ عبدالمطلب کے محبوب ترین فرزند حضرت عبداللہ کے گھر حضرت سیدنا احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ظاہر ہوئی، وہ رحمت اگرچہ ساری دنیا کی دائمی اصلاح کے لئے آئی تھی لیکن اصالۃً اور مقصوداً اہلِ عرب کی اصلاح کے لئے اور پھر ان کے واسطے سے ساری دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجی گئی تھی -

ہم چونکہ شعر العرب کی کتاب لکھ رہے ہیں اور اس میں بھی اختصار ملحوظ ہے اس لئے ہم سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے یہاں صرف اتنا جزو بضرورت بیان کریں گے جس کا اثر عربی شعر و ادب پر پڑا -

اسلام نے عربوں سے ان کے بڑے محبوب مشاغل مثل شراب خواری - قمار بازی - اور اُن کے دیرینہ عقائد مثل بت پرستی - کاہنوں کی تعظیم - کواکب کے سعد و نحس ہونے کا اعتقاد - نیز ان کے جاہلانہ رسوم، مثل لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا - مُردوں پر نوحہ و ماتم اور ان کے فواحش مثل سوتیلی ماؤں سے نکاح کرنا - اور ان کے وحشیانہ اطوار مثل لوٹ مار - حرام جانوروں کو کھاجانا وغیرہ وغیرہ - بے شمار بُری عادتیں یکسر چُھڑا دیں - باہم خانہ جنگیاں - برسہا برس تک کینہ کی پرورش وغیرہ بد اخلاقیوں سے ان کو نفرت دلا دی اس کے مقابل عمدہ اخلاق - دوسرے کے مال کا

احترام بلکہ حفاظت ۔ اخلاص وللہیت ۔ صبر و قناعت ۔ ایثار و تواضع وغیرہ ان کے اندر پیدا کر دئے ۔
ان تمام تعلیمات کی اصل و بنیاد قرآنِ پاک تھا ۔ قرآن جو خدائے ذوالجلال کا پُر جلال کلام تھا اس کے نظم اور عبارت میں عربوں کے ذوقِ شعری کو وہ تمام چیزیں مل گئیں اور معجزانہ طور پر یک جا مل گئیں جس کے وہ لوگ شیدائی تھے ۔ کلمات کی فصاحت و لطافت ۔ معانی کی جزالت و جلالت شعر کی رنگینی اور سحر کی سنگینی ۔ نغمہ و شراب کی مستی اور ملکوتی حق پرستی غرض یہ سب ان کو اچانک جو ملا تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے ان کے زباں دانی کے دعوے سرد پڑ گئے ان کی فصاحت اور گویائی کا سرِ پُر غرور اس کے سامنے جھک گیا گویا ان کے ذوقِ شعر و ادب نے قرآن کے پردہ میں شعر و ادب کے خداوند کا نظارہ کیا تو اس کی تجلی کے آگے سجدہ ریز ہو گیا ؎

جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا (حضرت اصغر مرحوم) مری نگاہ نے جھک جھک کے کر دیئے سجدے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی شعر قصد کر کے نہیں فرمایا ۔ بلکہ بعض کلمات اگر بلا قصد محض آپ کے غایت لطافت شعور کے باعث اتفاقاً کسی وزن میں موزوں ہوتا نظر بھی آیا تو آپ نے اُسے ادا اس انداز سے کیا گویا وہ نثر کا ایک جملہ ہے آپ اسلام کی تعلیم لے کر تشریف لائے تھے جو یکسر دعوتِ سعی و عمل ہے اس لئے آپ نے لغو اور لایعنی امور سے جن میں شعر بھی داخل ہے قوم کو روکا کہ اس سے توائے عمل زنگ آلود ہو جاتے ہیں ۔ پھر چوں کہ شعر کا مایۂ خمیر جھوٹ ہے اور اسلام میں جھوٹ کی گنجایش نہیں اس لئے وہ شعر جس کے عرب دل دادہ تھے اسلام کے ساتھ میل ہی نہیں کھا سکتا تھا ۔ البتہ آپ نے شعر کے متعلق یہ زریں ارشاد فرمایا کہ " الشعر کلام فحسنہٗ حسنٌ و قبیحہٗ قبیحٌ " یعنی شعر بھی ایک قسم کا کلام ہے ۔ اگر کلام اس میں اچھا کہا گیا ہے تو شعر بھی اچھا ہے اور اگر کلام خراب ہے تو شعر بھی خراب ہے ۔ اسی نظریے کے مطابق آپ نے اچھے اشعار سنے ۔ ان کو پسند فرمایا ان کے کہنے کی اور سنانے کی فرمائش کی ۔ مسجد میں منبر رکھوا کر اس پر اچھے اشعار پڑھواتے اور سنتے اور سنواتے ۔ بعض میں اصلاح دی ۔ کبھی شعر سن کر انعام عطا فرمایا ۔ ان حالات میں اسلام قبول کرنے والوں نے یا تو شعر کہنا ہی بند کر دیا یا بہت کم کر دیا اور اگر جاری رکھا تو اس کا رخ اور دھارا بدل دیا ۔ جاہلیت کا شعر

اکثر و بیشتر طبیعت کی اپج اور فطری جولانی دکھانے کی ایک چیز تھی وہ اسے کسب کا ذریعہ نہیں بناتے تھے۔ جاہلی شعرا میں پہلے صرف ایک زُہیر نے البتہ شعر کی بدولت بہت کچھ انعامات وہدایا پائے مگر انصاف یہ ہے کہ اس نے انعام پانے کے قصد سے اشعار وقصائد نہیں کہے تھے مگر اس کے بعد نابغہ ذیبانی۔ اعشےٰ منخّل وغیرہم نے تو شعر کو مستقلاً ذریعۂ معاش بنالیا۔ آزاد فطرت اور قناعت پسند بدویوں نے اس بدعت کو اپنی جبینِ بے نیازی پر ایک داغ سمجھا اور اسے بہت بُری نگاہ سے دیکھا۔ نتیجہ بھی یہ ہوا کہ شعر عربی اپنی قدرتی بلندیوں سے صنعتی پستیوں کی جانب اور بے باک حق گوئی سے اپنے ہی جیسے انسانوں کی خوشامد اور جا وبے جا مداحی کے گڑھے میں جا پڑی۔ ٹھیک اسی موقع پر اسلام نے بروقت آکر ان کے افکار ان کے اطوار۔ ان کے عقائد ان کے ذاتی منافع وفوائد۔ ان کے اعمال اور ان کے احوال واقوال کی یک لخت کایا ہی پلٹ دی اور اپنے برکاتِ عمومی سے شعر وادب کو بھی مالا مال کر دیا۔ اسلام کے بعد شعر کا عام مصرف حسب ذیل امور ہو گئے :۔

نیکیوں کی ترغیب۔ کارآمد مخلصانہ نصیحت۔ حضورؐ کی نعت ومدح اور آپ کے صحابہؓ کی تعریف۔ کفار کے مطاعن اور ہجو گوئی کا جواب۔ اسلام کے محاسن کی اشاعت۔ جہاد کی ترغیب۔ اسلامی جنگوں کے تذکرے۔ شہادت کا شوق۔ شہدا رحق کا مرثیہ اور ان کے درجات کا ذکر۔ مکارمِ اخلاق کا بیان۔ اسلام پر فخر۔ کفر سے نجات پر مسرت۔ بے جا فخر نسب کی خرابی وغیرہ۔

شخصی مدائح میں اگرچہ محبت کی نگاہ مبالغہ کرنا چاہتی ہے مگر اس میں ایک تو ابتدار اسلام میں خلفار راشدین اور ان کے کچھ بعد تک لوگوں نے اپنی مدح پسند ہی نہیں کی۔ دوسرے شعرا بھی اسلام کی تعلیم کے باعث صرف واقعی صفات کا ذکر کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسلام کی گرفت ڈھیلی ہونے لگی اور شخصی مدائح آخر مبالغہ۔ بیجا خوشامد۔ افراطِ محبت کے باعث کذبِ محض بن کر رہیں۔ اسی طرح ہجو گوئی ابتدا میں تو کفار کے لئے بضرورت شروع کی گئی لیکن رفتہ رفتہ اس میں بھی کذب ومبالغہ نے راہ پالی اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ کچھ دنوں بعد مسلمانوں نے مسلمانوں ہی کی ہجو کہنی شروع کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسم بد سب سے پہلے عہدِ فاروقؓ میں حُطیئہ عبسی نام ایک مجہول النسب اور ضعیف الاسلام شخص نے مسلمانوں میں پھیلائی۔ ورنہ مسلمانوں

نے تو ہجوگوئی کفار کے مطاعن کا جواب دینے کے لئے حضورؐ کے اس ارشاد پر شروع کی تھی کہ

"اے جوانانِ انصار! جن لوگوں نے ہتھیاروں سے اسلام کی مدد کی وہ زبان سے بھی اس کی مدد کیوں نہیں کرتے"

یہ سُن کر مسلمانوں میں سے حضرت حسّان بن ثابت۔ کعب۔ عبداللہ بن رواحہ نے دین کی اس خدمت اور اسلام کی اس مدافعت کا بیڑا اٹھایا

چوں کہ ہر دور کا ادب اس عہد کے تمام عوامل اور مؤثرات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس لئے ہم ذیل میں ذرا تفصیل سے بتانا چاہتے ہیں کہ دورِ اسلامی کا شعرِ عربی اپنے دور کے عوامل اور مؤثرات سے کس حد تک متاثر ہوا یعنی بہ الفاظِ دیگر دورِ اسلامی کا عربی شعر، دورِ جاہلی کے شعر سے کن کن باتوں میں ممتاز ہے اور دونوں ادوار کے فروق اور ممیزات کیا ہیں:۔

۱۔ دورِ نبوی میں بلکہ کسی حد تک خلفاء راشدین کے دور میں شعر اپنے بنیادی ڈھانچہ میں جاہلی دور ہی کی تمام خصوصیات کا حامل رہا۔ وہی سادگی، وہی جوش، وہی فطری جذبات، وہی مناظر کی عکاسی، وہی بیباکی اور آزادمنشی جو دورِ جاہلی کے اشعار میں تھی اب بھی باقی رہی۔ اگر فرق تھا تو صرف یہ کہ شعر پھر بادیہ نشینوں میں جا پہنچا کیوں کہ متمدن شہروں کے لوگ اسلام کی برکات سے اب شعر کی محض خیال آرائیوں سے کنارہ کش ہو کر حفظِ قرآن۔ روایتِ حدیث۔ جہاد بالشرک۔ مقابلۂ کفار۔ ریاضت و شب بیداری ذکراللہ جیسے فضائل میں لگ گئے۔ چنانچہ حضرت حسانؓ کی بعد اسلام والی شاعری میں بھی وہ زور نہ رہ گیا جو قبل اسلام کے اشعار میں تھا۔ کیوں کہ اب شعر کی طرف ان کی توجہ محض ثانوی درجہ کی رہ گئی تھی

۲۔ اسلام کے آجانے پر ان کی شاعری کے موضوعات بجائے تخریبی ہونے کے تعمیری ہونے لگے اور ظاہر ہے کہ تعمیر میں تخریب کا سازور و جوش۔ ہیجان و طوفان نہیں بلکہ متانت و سکون ہوا کرتا ہے۔

۳۔ اسلام کے پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحیفۂ اعظم کی بدولت عربی شعر و ادب کو بہت سے جدید اندازِ فکر۔ جدید الفاظ و معانی۔ جدید اسالیبِ بیان حاصل ہوگئے۔ فنائے نفس۔ رضائے حق۔ اخروی ثواب و عذاب۔ جنت و جہنم۔ صلوٰۃ و صیام۔ ذکر و فکر۔ انبیاء و رسل۔ ذات و صفاتِ حق۔ قرآن و حدیث۔ کتاب و سنت۔ مومن و کافر۔ فاسق و منافق۔ رکوع و سجود۔ تہلیل و تکبیر

خلیفہ و امیر المومنین - بیت المال و اوقات - زکوٰۃ و عُشر وغیرہ کے شرعی مفاہیم ور اصطلاحات عام طور سے نظم و نثر - تقریر و تحریر - قول و عمل میں آنے اور رہنے لگے - اسلام سے قبل امیۃ ابن الصلت جیسے شعرا جو آخرت کا ذکر کرتے تھے محض خال خال تھے مگر اسلام کے آنے پر تو یہ تخیل یہ الفاظ اوڑھنا بچھونا ہو گئے - انداز بیان میں عِم صباحًا اور عِم ظلامًا (صبح و شام کے جاہلی سلام) کی بجائے السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ) - وعدہ کے موقع پر انشاء اللہ خوشی کے موقع پر ماشاء اللہ و سبحان اللہ احسان مندی کے موقع پر جزاک اللہ - مرباعُ (چوتھ - ٹیکس) کی جگہ پر خُمس - عُشر - زکات - نشیطہ اور فضول (فاضل اور خاص مالِ غنیمت) کے لئے صفیہ کے الفاظ اسلام کے خزانے سے ملے - اخلاق اور معاملات کے بدل جانے سے اندازِ فکر میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی - خود غرضی خیانت وغیرہ کی جگہ ایثار - خدمتِ خلق - قناعت و امانت نے ان کے اندازِ فکر ہی کو بدل دیا -

۴ - اسلامی دور سے قبل ہر قبیلہ اپنے یہاں کے لب و لہجہ - کلمات کے مخصوص تلفظات اور صوتی تصرفات کو دانتوں سے مضبوط پکڑے بیٹھا تھا اور کسی قیمت پر ان کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا - وہ باوجود اس کے کہ حج یا دیگر قومی و ملکی میلوں (عکاظ - ذوالمجنہ وغیرہ) میں قریش تمیم - سعد و دیگر قبائل سے ملتے رہتے تھے مگر اپنے تلفظی خصوصیات میں کسی قسم کی اصلاح یا دوسرے قبیلہ کے لب و لہجہ سے کوئی قلم یا پیوند لگانا نہیں پسند کرتے تھے گویا وہ اپنے تلفظ وغیرہ کو قصداً سب سے الگ رکھنا چاہتے تھے اور اس لحاظ سے ملک عرب میں بہت سے عربی لہجے قبائل کے تلفظی تعصب کی وجہ سے پائے جاتے تھے ہم اس کا بیان ذرا تفصیل و وضاحت سے لکھنا چاہتے ہیں :-

اسلام سے قبل ملک عرب اپنے صوتی لہجوں اور صرفی و نحوی قاعدوں کے جزوی اختلافات و فروق کے باعث کئی حصّوں میں بٹا ہوا تھا (گویا لسانی صوبے اس میں کئی تھے)

(الف) اہلِ حمیر کا لہجہ طمطمانیہ تھا - وہ لوگ لام تعریف (اَل) کو م سے بدل کر بولا کرتے مثلاً طاب الھواء اگر انھیں کہنا ہوتا تو وہ طاب اَمھواءُ (ہوا اچھی ہے) کہتے - حضورؐ نے ایک حدیث بھی (شاید ان کی دل جوئی یا بقیہ صحابہ کی تفریح کے لئے) انھیں کی بولی میں فرمائی جو مشہور ہے " لیس

"من امبر امصیام فی امسفر" (لیس من البر الصیام فی السفر) یعنی سفر میں (بوڑھے کا) روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔

(ب) بنو ہُذَیل کا لہجہ فحفحہ کہلاتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ وہ لوگ حا رحُطّی کی جگہ عین کہتے حُسَین کو عُسَین کہتے۔

(ج) بنو قضاعہ کا لہجہ عجعجہ تھا۔ وہ لوگ اسم منقوص (راعی۔ قاضی وغیرہ) اور اسم منسوب (مُرّیٌ وغیرہ) میں ی کو ج سے بدل کر بولتے چنانچہ معی کو معج۔ راعی قاضی کو راعج۔ قاضج۔ مری کو مُرج کہتے۔

(د) اہل یمن کا لہجہ عمعمہ یا شمشنہ تھا وہ لوگ حرف س کو ت سے بدل دیتے اور الناس کو النات کہتے۔

(ہ) بنو بہراء کا لہجہ تلتلہ کہلاتا تھا ان کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ مضارع کی علامات (ی۔ت۔ا۔ ن) کو زیر سے ادا کرتے اور یِعلمون۔ تِعلمون کہتے۔

(و) بنو تمیم کا لہجہ عنعنہ تھا وہ لفظ کے شروع والے ہمزہ کو ع سے بدل کر بولتے اَمنٌ کو عَمنٌ۔ امانٌ کو عمانٌ۔ اَبٌ کو عَبٌ۔ امٌّ کو عُمٌّ۔

(ز) بنو اسد اور بنو ربیعہ کا لہجہ کشکشہ کہا جاتا کیوں کہ وہ لوگ ک کی جگہ ہمیشہ ش کو تلفظ کرتے لبّیک اور کلمتہٗ کو لبّیش اور شلمتہٗ کہتے۔

(ح) بنو کلب کا لہجہ وہم کہلاتا تھا ان کی تلفظی خصوصیت یہ تھی کہ جمع مذکر غائب کی ضمیر (ھُم) کو ہمیشہ ہِم کاف کے زیر سے کہتے۔ منہِم بینہِم

(ط) بنو ربیعہ کے لہجہ کو وکم کہتے وہ لوگ جمع مذکر حاضر کی ضمیر (کُم) کو ہمیشہ کاف کے زیر کے ساتھ کِم کہتے علیکِم۔ بکِم۔

(ی) بنو شحر وعمان کے لہجہ کا نام لخلخانیہ تھا وہ لوگ ماموصولہ کو ہمیشہ الف گرا کر بولتے ماشاء اللہ ماجری کو مشاء اللہ اور مجری کہتے۔

(ک) بنو طے کا لہجہ قُطعہ یہ تھا کہ وہ ہر لفظ کا آخری حرف کھا جاتے اور گرا دیتے ابو الحکم کہنا ہوتا تو صرف ابو الحک کہتے۔

(ل) بنو سعد و انصار کا لہجہ استنطار کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں یہ ہوتا تھا کہ وہ عین ساکن کو نؔ سے بدل کر بولتے اعطی معطی کو انطی اور منطی کہتے۔

(م) بنو مازن کے لہجہ میں ہر ب میم سے بدل جاتی بُکر کو وہ لوگ مُکر کہتے۔

(ن) بنو تمیم کی بولی میں لیس کی خبر بھی مرفوع ہی رہتی لیس طبیبٌ الا مسکٌ خوشبو تو بس ایک مُشک ہے۔ نیز وہ مضاعف مجزوم میں بھی ادغام کرتے مثلاً غضّ۔

(س) بنو مالک کے یہاں یا ایُّھا الناس کو یا ایّہُ النّاس بولا جاتا

(ع) بنو طے کے یہاں شاید سَمِعَ اور عَلِمَ کا باب ہی نہ تھا وہ رَضِیَ کو رضیٰ کہتے۔

(ف) بنو خثعم اور بنو زبید کی بولی میں لام تعریف سے قبل اگر ن آتا تو گر جاتا جیسے مِنَ البیتِ اور بنی العنبر کو مِلبیتِ اور بَلعنبر غرض لہجات اور تصرفات کی اتنی رنگارنگی کو قرآن پاک نے لغت قریش میں نازل ہو کر یک لخت ہباءً منثورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ قریشی تھے اس لئے قریش کی زبان سرکاری اور دفتری زبان بن کر سب پر غالب آگئی اور اس کے دبدبہ کے سامنے تمام لہجات کا طنطنہ دب کر رہ گیا۔ لہٰذا شعر عربی میں اسلام کے بعد صرف لغت قریش جاری و ساری ہو گئی۔

۵۔ اسلام سے پہلے عرب لوگ عرب سے باہر تجارت کے لئے جاتے ضرور تھے مگر رحلۃ الشتاء والصیف سے زیادہ غالباً نہیں جاتے تھے۔ سیر فی الارض کا اتفاق عرب سے باہر ان کو کم پڑتا تھا اس لئے عربی زبان عرب کے باہر مطلق نہ پھیلی تھی کیوں کہ اس وقت عربی زبان کو کوئی اقتدارِ اعلیٰ دوسرے ملکوں کے لئے حاصل نہ تھا۔ اسلام کے بعد چوں کہ عربی زبان کی پشت پر پیغام الٰہی اور ارشادِ حضرت رسالت پناہی کا اقتدارِ اعلیٰ کارفرما تھا اس لئے عرب کی قریشی زبان اپنی فطری فصاحت کے ساتھ ملک سے باہر اقتدار و اعتبار۔ رعب اور وزن بھی لے کر پہنچی اور اب دنیا کو اس کی عزت کرنی پڑی۔

۶۔ قرآن میں کلمات کی بندش و تراکیب۔ قرآن و حدیث کے اسالیب بیان عربوں کو ملے۔ دورِ اسلامی کی شاعری کے سلسلہ میں ان ممیزات اور فروق کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ممیزات شعر عربی کے ظواہر (لغت و ادب وغیرہ) سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ دورِ اسلامی کی

شاعری میں اور دورِ جاہلی کی شاعری میں کوئی اساسی فرق اور بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا اس لئے کہ اہلِ عرب اب تک اپنی قدیم روایاتی سادگی۔ بے باکی۔ آزادی وغیرہ اوصاف کے بدستور حامل تھے اپنے تمدن اور کلچر کے عاشق تھے غیر قوموں سے نہ تو زیادہ اختلاط کا موقع آنے پایا تھا اور نہ انھوں نے اپنا تمدن چھوڑنا پسند کیا۔

ان تمہیدی گزارشوں کے بعد اب ہم دورِ اسلامی کے شعراء عرب کا تذکرہ کرتے ہیں اگرچہ دورِ اسلامی میں دو قسم کے شعراء کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے ایک وہ جن کو مُخضرم کہا جاتا ہے یعنی جنہوں نے جاہلیت کا بھی زمانہ پایا اور اس میں شعر کہے اور اسلام کی دولت بھی پائی اور بحالتِ اسلام بھی شعر کہے۔ دوسرے وہ جنہوں نے اسلام کی آغوش میں آنکھیں کھولیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ موخرالذکر شعرا کو اُموی دور کے شعرا میں شمار کیا جائے۔ پس ہم ذیل میں صرف مخضرم شعرا کا ذکر کریں گے:۔

۱۔ (الف) حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ (وفات ۱۳ھ / ۶۳۴ء) آپ کے حالات مشہور ہیں۔ آپ کی شاعری کے سلسلہ میں ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں آپ کا ایک طویل قصیدہ نقل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔

اَمِنْ طَیفِ لَیلیٰ بِالبِطَاحِ الدَّمَائِثِ اَرِقْتُ وَاَمرٍ فِی العَشِیرَۃِ حَادِثٖ

اگرچہ اکثر علماء ادب کہتے ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت صدیق رضؓ ہی کا ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ان کی طرف محض منسوب ہے حقیقتاً ان کا نہیں۔ بہر حال اس امر پر سب علماء ادب متفق اللفظ ہیں کہ آپ نے اسلام لانے کے بعد کوئی شعر نہیں کہا۔

(ب) حضرت سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ (شہادت ۲۳ھ / ۶۴۴ء) آپ کے حالات بھی مشہور ہیں۔ کتاب "حسن الصحابہ" میں آپ کے چند ایسے اشعار لکھے ہیں جو آپ نے اسلام لانے کے بعد کہے ہیں۔

الم تر اَنَّ اللہ اظہر دینہٗ علیٰ کل دینٍ قبل ذالک حائد

فامسیٰ رسول اللہِ قد عزّ نصرہٗ وامسیٰ عداہ من قتیل و شارد

(ج) حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ (شہادت ۲۰ رمضان ۴۰ھ / ۶۵۹ء) آپ کے حالات بھی

مشہور ہیں۔ آپ کے نام سے خطبات بھی نہج البلاغۃ میں جمع کئے گئے ہیں اور اسی طرح آپ کے نام سے اشعار بھی ایک کتاب میں جمع کئے گئے جو "دیوانِ علی" کے نام سے مشہور ہے مگر جس طرح نہج البلاغۃ کے تمام خطبات آپ کے نہیں ہیں بلکہ اکثر ان میں الحاقی ہیں اسی طرح آپ کی طرف منسوب شدہ اشعار بھی سب آپ کے نہیں ہیں ان میں بہت سے الحاقی ہیں علامہ زمخشری اور مازنی کا خیال ہے کہ حضرت سیدنا علیؓ کے صرف دو شعر ان کے اپنے ہیں اور وہ یہ ہیں:-

تِلکم قُرَیشٌ تمنّانی لِتَقتُلَنِی فلا وربک ما برّوا ولا ظفروا

فان ھلکتُ فرھنٌ ذِمّتی لھُم بذاتِ ودقین لا تعفو لھا اثر

ان کے علاوہ بعض علما نے دیوان کے ان اشعار کو بھی آپ ہی کے اشعار بتایا ہے جن میں عمرو بن عبدود کے قتل کا ذکر ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:-

اَعلَیَّ یقتحم الفوارس ھکذا عنّی وعنہ اُخّروا اصحابی

لیکن عقل کا تقاضا ہے کہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے روح فرسا صدمہ کے موقع پر بھی کچھ اشعار۔ مرثیہ بھی ضرور کہا ہو گا اس لئے میرے نزدیک یہ تو صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے صرف دو ہی اشعار کہے ہوں۔ پس گو سارا دیوان آپ کا کہا ہوا نہ ہو تو نہ سہی مگر آپ کے اشعار یقیناً دو سے زائد ہوں گے۔

۲- نابغہ جعدی: نام عبداللہ والد کا نام قیس۔ قبیلہ بنو جعدہ۔ کنیت ابو لیلیٰ۔ کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہ شخص شراب۔ جوئے اور بت پرستی کو بُرا جانتا تھا۔ ظہورِ اسلام پر یہ بھی اسلام لے آئے۔ انھوں نے حضورؐ کے سامنے اپنا ایک نعتیہ قصیدہ پڑھا اس پر آپ نے خوش ہو کر تحسین اور دعا میں فرمایا: "لا فُضَّ فوكَ" تیرا منہ شکستہ نہ ہو۔

ان کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی۔ مگر مرتے دم تک ان کے تمام دانت سالم تھے۔ نابغہ ذُبیانی اور منخّل ان کے ہم عصر تھے ان کے قصائد بہت مشہور ہیں۔ ان کے کلام کے متعلق کسی نقّاد کا یہ جملہ بہت مشہور ہو گیا ہے کہ "خمارٌ بواف ومِطرفٌ بآلاف" اوڑھنی تو ٹکے کی مگر چادر ہزاروں کی)

یعنی اندز کا مضمون تو معمولی مگر لفظوں کی پالش اور جلا غضب کی۔ یا یہ کہ بعضے اشعار معمولی مگر بعضے بڑے غضب کے۔

(۳) حُطیئہ: نام جرول۔ باپ کا نام اوس۔ قبیلہ بنو عبس۔ کنیت ابو مُلیکہ۔ لقب حُطیئہ کیوں کہ یہ بڑا بدرو، پستہ قد اور کنجوس تھا۔

یہ نہایت کم نسب بلکہ مجہول النسب تھا۔ اصمعی نے لکھا ہے کہ یہ نہایت کمینہ۔ بددین۔ بدطینت بدصورت۔ بھک منگا۔ کنجوس اور لالچی تھا کم نسبی سے اس کا کوئی سرپرست نہ تھا سوسائٹی میں لوگ اسے ذلیل نگاہوں سے دیکھتے تو اس نے چاہا کہ اپنی ذہانت، جودتِ طبع اور شاعری ہی کے سہارے سوسائٹی میں ابھر کر اپنے لئے اچھا مقام بنالے۔ لوگوں نے جب اُسے بُرا کہا تو اس نے بھی جواب میں سخت سُست کہنا شروع کر دیا اس وجہ سے اس کی شاعری کی اُٹھان ہی ہجو اور بدگوئی میں ہوتی اور اسی میں یہ شخص شیطان کی طرح مشہور ہوگیا۔ اس کی بدگوئی اور بدزبانی کا یہ حال تھا کہ اس کی بدگوئی سے کوئی شخص نہ بچ سکا۔ اس کی ماں اس کا باپ۔ اس کا بیٹا۔ خود اس کی اپنی ذات اس نے سب کو برا کہا۔ اسلام کے ظاہر ہونے پر پہلے تو اسلام لایا پھر یہودی فطرت کے باعث مرتد ہوگیا۔ پھر کسی موقع پر اسلام قبول کر لیا مگر نہایت مذبذب اور ڈھلمل یقین بن کر زندہ رہا۔ مسلمانوں کی بھی ہجو کہتا اور در پردہ مسلمانوں کی بدگوئی کرتا یہاں تک کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت زبرقان کی بھی ہجو کہی، کہتے ہیں کہ اس نے نہایت عیاری اور منافقت سے حضرت زبرقان کی ہجو کہی کہ اسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی پہلے نہ سمجھ سکے مگر جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف توجہ دلائی اور اس کی شرارت کی نشان دہی کی تب آپ کو اس کی بدباطنی اور منافقت کا علم ہوا اور آپ نے اسے قید کر دیا۔ تب اس نے قیدخانہ سے شعر کہہ کر حضرت عمر کی خدمت میں بھیجے جن میں رہائی کی درخواست کی تھی آپ نے فرمایا کہ اس شرط پر رہائی مل سکتی ہے کہ آئندہ کسی شخص کی بھی ہجو نہ کرے۔ تو اس نے کہلایا کہ حضور یہی میرا ذریعۂ رزق ہے۔ اسے بند کر دوں تو میرے اہل وعیال پھر کھائیں گے کیا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا تو خبردار کسی مسلمان کی ہجو نہ کرنا۔ اس نے عرض کیا کہ اس کا کچھ معاوضہ مجھے ملے تو میں اس کا عہد کروں آپ نے اس کا منہ تین ہزار درم کا بھاری لقمہ دے کر بند کر دیا کہ پھر وہ مسلمانوں پر نہ کھلے۔ مگر بھلا طبعی خباثت کہاں جا سکتی تھی ادھر حضرت عمرؓ کی

شہادت ہوئی اور اُدھر اس نے اپنی بد معاشی اور بد طینتی پھر ظاہر کرنی شروع کر دی ۔ یہ شخص ۵۹ھ/۶۷۹ء میں مرا۔ علما رنقد کا قول ہے کہ اگر اس کی ذات میں خباثت نسب میں کمزوری ۔ طبیعت میں چھچھور اپن نہ ہوتا تو مخضرم شعرا میں کوئی شخص اس کے ٹکر کا نہ تھا ۔ کلام میں زور ۔ الفاظ کی بندش پختہ اور سلیس جیسی اس کے یہاں ہے دوسرے مخضرم شعرا میں نہیں ہے ۔ باوجود ہجوگوئی کے اس کے کلام میں فحش اور شرمناک باتیں نہیں ہوتی تھیں ۔

۴ ۔ حضرت سیدنا حسان بن ثابتؓ : نام حسان ۔ والد کا نام ثابت قبیلہ خزرج جو انصار مدینہ میں ممتاز قبیلہ تھا ۔ کنیت ابو الولیدؔ آپ کی ولادت حضورؐ کی ولادت سے آٹھ سال قبل مدینہ میں ہوئی حضورؐ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا پھر ساٹھ ہی برس اسلام میں بھی زندگی پائی اور ایک سو بیس سال کی عمر پا کر ۵۴ھ/۶۷۴ء میں مدینہ میں انتقال فرمایا ، اسلام سے قبل آپ نے منذر خاندان اور غسان خاندان کے بادشاہوں کی اور بالخصوص خاندان جفنہ کی مدح میں بہت سے قصائد کہے اور انھوں نے آپ کی قدر دانی میں آپ کو انعام و اکرام بھی دیئے مگر اسلام لانے کے بعد آپ نے اپنے آپ کو حضورؐ کی نعت ۔ مدح (اور بعد وفات حضورؐ کے آپ کے مرثیہ) کے لئے اور اسلام کی مدافعت کے لئے وقف کر دیا اور حسب ارشادِ نبوی زبان سے اسلام کی نصرت کی ۔ آپ کو بیت المال سے وظیفہ بھی ملتا تھا ۔ آپ کی نظمیں جو کفار کی ہجو میں تھیں انھیں سُن کر حضورؐ نے خوش ہو کر فرمایا "اُھجُھُم ومعک روح القدس" "یعنی بس تم ان کفار کی ہجو برابر کرتے رہو روح القدس تمھارے ساتھ ہے ۔"

چنانچہ آپ کے اشعار کفار کے دلوں میں تیر کی طرح لگتے اور کانٹے کی طرح کھٹکتے اور وہ لوگ رو رو دیتے ۔ آپ کا قلب بہت کمزور تھا جہاد میں آپ نے شرکت نہیں کی ۔ آخر عمر میں آپ کی آنکھیں جاتی رہی تھیں آپ کے اشعار میں ۔ فخر ۔ شجاعت ۔ مدح ۔ ہجا ۔ حمد ۔ نعت کے مضامین زیادہ ہیں ۔ علما رنقد کی رائے ہے کہ آپ کے مدحیہ اشعار میں وہ زور و اثر نہیں جو ہجو کے اشعار میں ہے کچھ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ہجو میں آپ کے کلام کی پشت پر حضرت جبرئیلؑ کی امداد ہوتی تھی جو مدح میں نہ ہوتی تھی ، دوسرے یہ کہ مدح کے اشعار دل

کی گہرائی سے نہیں ادپری دل سے بغیر اخلاص کے محض ضرورت کے سبب سے ہوتی تھی ۔ البتہ حضورؐ کی نعت اور مرثیہ میں چوں کہ دل کا جذبۂ خلوص بھی ساتھ ہوتا تھا اس لئے اس میں زور و اثر بہت کافی ہے ۔ بہرحال اسلام لانے کے بعد آپ نے مدح میں اشعار کم کہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار خبر ملی کہ کسی نے حضرت ابو بکرؓ کو کچھ برا کہہ دیا ۔ تو آپ نے فوراً منبر پر تشریف لے جا کر ایک تقریر فرمائی اور اس میں ابو بکرؓ کے فضائل و مناقب دیر تک بیان فرمانے کے بعد فرمایا ۔

"کیا تم میری خاطر بھی میرے دوست ابو بکرؓ کو برا کہنے سے باز نہ رہو گے ؟" اس کے بعد حضرت حسانؓ سے کہا ایسے اشعار سناؤ جن میں تم نے میری اور ابو بکر کی تعریف کی ہو تو آپ نے ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں :-

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقۃٍ　　فاذکر اخاک ابا بکر بما فعلا

التالی الثانی المحمود شیمتہ　　واول الناس طرًا صدق الرسلا

الثانی اثنین فی الغار المنیف وقد　　طاف العدو بہ اذ صعد الجبلا

(۵) حضرت سیدنا کعب رضی اللہ عنہ : نام کعب والد کا نام زہیر ابن ابی سلمیٰ صاحب المعلقۃ قبیلہ مزینہ ۔ کئی پشت سے ان کے خاندان میں شاعری چلی آتی تھی اور ان کے گھرانہ میں متعدد نامور شعرا گزرے ۔ ان کے بھائی بجیر ان سے پہلے اسلام لائے ۔ انھوں نے سنا تو انھوں نے حضورؐ کی (معاذ اللہ) ہجو میں زبان آلودہ کی ۔ حضورؐ نے بدگوئی کی خبر سنی تو پہلے تو آپ نے ادھر التفات بھی نہ فرمایا لیکن جب سنا کہ بدگوئی بڑھی تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اسے جہاں پاؤ قتل کر دو ۔ یہ خبر جب کعب کو لگی تو خدا کی طرف سے ایک عجیب رعب اور ہیبت دل میں سما گئی اور ان کے ہوش اڑ گئے ۔ دل سے توبہ و ندامت کر کے چھپتے چھپاتے مدینہ کی طرف چلے راستہ میں حضورؐ کی نعت اور مدح میں ایک زوردار قصیدہ کہا گویا اپنی سابقہ ہرزہ سرائی کی تلافی کی اور کفارہ ادا کیا ۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے :-

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　متیم اثرہا لم یفد مکبول

یہ لاجواب قصیدہ اپنے ابتدائی دو لفظوں "بانت سعاد" ہی کے نام سے آج تک مشہور اور

فصحاء عالم سے خراج تحسین لے رہا ہے۔ غرض چھپتے چھپاتے مدینہ پہنچے اور خود سیدھے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ راستہ میں برابر یہ خبر ملی کہ مرے قتل کا اعلان ہو چکا ہے حضورؐ کے سامنے ایک اجنبی مسافر بن کر پہنچے اور عرض کیا کہ "سنا ہے آپ نے کعب ابن زہیر کے قتل کا حکم دے دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں، عرض کیا اجازت ہو تو میں اسے پکڑ لاؤں۔ ارشاد ہوا جاؤ پکڑ لاؤ۔ عرض کیا اور اگر وہ معافی کی درخواست کرے۔ دربارِ رسالت و رحمت سے ارشاد ہوا کہ اگر وہ معافی مانگے گا تو معاف بھی کر دیا جائے گا۔ یہ سُن کر بے تابانہ حضورؐ کے قدمِ مبارک پکڑ لئے اور رو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! وہ بدبخت میں ہی ہوں مگر اب توبہ کر کے مسلمان ہونے حاضر ہوا ہوں آپ نے خوش ہو کر ان کو کلمۂ اسلام کی تلقین فرمائی تو عرض کیا میں نے حضرت کی شان میں کچھ عرض۔۔۔۔۔۔۔ کیا ہے اجازت ہو تو سناؤں آپ نے فرمایا سناؤ تو وہ قصیدہ سنایا جس میں مذکورہ واقعات کا اپنے شاعرانہ انداز میں بڑے مزے سے ذکر کیا ہے کہتے ہیں۔

تسعی الوشاۃ جنابیہا و قولہم — انک یا ابن ابی سلمی لمقتول

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی — والعفو عند رسول اللہ مامول

مہلاً ھداک الذی اعطاک نافلۃ — القرآن فیہا مواعیظ و تفصیل

لا تاخذنی باقوال الوشاۃ ولم — اذنب و ان کثرت فِیَّ الاقاویل

جب اس شعر پر پہنچے:-

اِنَّ الرسول لنور یستضاء بہ — مھند من سیوف الھند مسلول

تو آپ کے چہرۂ مبارک پر مسرت اور بشاشت کی ایک لہر دوڑ گئی اور آپ نے ان کو دو انعامات سے نوازا ایک انعام تو ادبی تھا کہ دوسرے مصرع میں ایک اصلاح دی ارشاد ہوا کہ سیوف الھند نہ کہو سیوف اللہ کہو۔ اب اسے صرف ذوقِ سلیم ہی جان سکتا ہے کہ اس اصلاح نے کیسی کچھ جان شعر میں ڈال دی۔ مھند میں ہند کا لفظ تو آہی چکا تھا۔ پھر دوبارہ الھند لانا محض بھرتی تھا۔ حضورؐ نے اس سُقم کو الگ دور فرمایا اور الھند کی جگہ اللہ کہہ کر شعر کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیا اور دوسرا

انعام مادی تھا وہ یہ کہ اپنا بُردۂ مبارک (دھاریداری چادرہ) اپنے دوشِ مبارک سے اتار کر ان کو عطا فرما دیا (اور اسی بردۂ شریفہ کے انعام کے واقعہ سے یہ قصیدہ، قصیدۂ بُردہ کے نام سے بھی موسوم ہے) وہ بُردۂ شریفہ عرصہ تک اُن کے خاندان میں رہا تا آنکہ حضرت سیدنا امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندان والوں سے ایک گرانقدر رقم کے عوض خرید لیا۔

برصغیر ہند و پاک کا واحد عربی ماہنامہ

البعث الاسلامی

زیر سرپرستی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

زیر ادارت

سیّد محمد حسن

خوب صورت عربی ٹائپ پر نئی ترتیب کے ساتھ

تازہ شمارہ کی ایک جھلک

قاہرہ میں چند دن

(قاہرہ کی معاشرتی وعلمی زندگی کا ایک دل چسپ خاکہ)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے

عربی قومیت تاریخ اور حقائق کی کسوٹی پر

مولانا محمد ناظم ندوی، شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بھاولپور

ہندوستان میں مساجد کی تاریخ

مولانا کلیم سید عبد الحئی مرحوم

ہندوستان کے خاموش مصلحین

سید محمد رابع ندوی استاذ ادب دار العلوم ندوۃ العلماء

جگر اور ان کی شاعری

سعید الاعظمی

دوسرے مستقل عنوانات، اداریہ — قرآنیات

ندوۃ البعث ———— کے علاوہ

چندہ سالانہ ۵ روپے — فی کاپی آٹھ آنے

ترسیل زر کا پتہ

ہندوستان میں:-

دفتر "البعث"، ۳۷ رگوئن روڈ لکھنؤ

پاکستان میں:-

دفتر "فاران"، کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

تزکِ بابری

از

(جناب محمد رحیم صاحب دہلوی)

(۱۱)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان بابتہ ماہ اکتوبر ۵۶ء)

۹۰۴ھ[1] کے حالات

خجند میں سمرقند اور اندجان لینے کی دوبارہ کوشش کی لیکن کام نہ بنا۔ اس لئے پھر خجند چلا گیا۔

خجند چھوٹی سی جگہ ہے۔ سو دو سو آدمیوں کا سردار ہو تو وہ بھی وہاں مشکل سے گذر بسر کر سکتا ہے پھر جسے سلطنت کا دعویٰ ہو۔ اس کی گذر وہاں کس طرح ہو۔

محمد حسین مرزا سے عارضی قیام کی درخواست سمرقند لینے کے خیال سے محمد حسین گورگان دغلت کے پاس آدمی بھیجے۔ وہ اورا تیبہ میں تھا۔ یار ایلاق کے دیہات میں سے بشاغرچ۔ جو پہلے حضرت خواجہ کے قبضے میں تھا۔ لڑائی جھگڑوں میں اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس سے کہلا کر بھیجا کہ جاڑے میں ہمیں وہاں عارضی ٹھیرنے کی اجازت دے دے۔ تاکہ وہاں سے سمرقند پر چڑھائی کی جا سکے۔ وہ راضی ہو گیا۔

رباط خواجہ پر حملے کی تیاریاں خجند سے بشاغرچ چلے۔ جب زامین[2] پہنچے تو مجھے بخار آگیا۔ میں بخار میں ہلہلاتا ہوا زامین سے مارا مار پہاڑی راستہ طے کر کے رباط خواجہ[3] پہنچا۔ ارادہ یہ تھا کہ چپ چپاتے سیڑھیاں لگا کر فصیل پر جا چڑھیں گے۔ اور خواجہ رباط کے قلعے کو جو شادوار کا صدر مقام ہے چھین لیں گے۔

ہم نماز کے وقت وہاں پہنچے۔ لیکن وہاں کے لوگ ہوشیار ہو گئے۔ اس لئے اُلٹے پاؤں واپس لوٹنا پڑا۔

---

[1] مطابق ۱۴۹۸ء [2] زامین [3] رباط خواجہ، سمرقند کے مغرب میں ہے۔

بخارا میں ۵۶ میل کا سفر وہاں سے کہیں ٹھیرے بغیر لشاغرح پہنچے ۔ بخار کے سبب ۵۶[1] میل کا وہ راستہ بڑی مصیبت اور تکلیف سے طے ہوا ۔

سید یوسف پر حملے چند روز بعد ابراہیم سارو ۔ شیرم طغائی ۔ ویس لاغری اور کچھ امیروں ، مصاحبوں اور ملازموں کو دھاوا کرنے بھیجا ۔ تاکہ یار ایلاق کے قلعوں کو چھین لیں ۔ خواہ وہ صلح صفائی سے حاصل ہوں یا انھیں تلوار کے زور سے لیا جائے ۔

ان دنوں یار ایلاق پر سید یوسف کا قبضہ تھا ۔ میں جب سمرقند سے آیا تو وہ وہیں رہ گیا ۔ سلطان علی[2] مرزا نے بھی اس کے ساتھ رعایت برتی ۔ اور یوسف نے اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے بیٹے کو یار ایلاق کے قلعوں کا انتظام سونپ دیا ۔

احمد یوسف بھی جو ، اب سیالکوٹ کا حاکم ہے ان قلعوں میں تھا ۔ میری فوج نے جاڑے بھر بعض قلعوں کو صلح سے بعض کو لڑ بھڑ کے اور بعض کو دھوکے اور فریب سے چھین لیا ۔

ازبکوں اور مغلوں کے ڈر سے ملک میں کوئی گاؤں بھی ایسا نہ تھا ۔ جس میں قلعہ نہ ہو ۔

یار ایلاق میں ناکامی سید یوسف بیگ ، اس کا چھوٹا بھائی اور اس کا لڑکا ہم سے بدگمان ہو گئے تھے ۔ انھیں خراسان بھیج دیا ۔

یار ایلاق میں ہمارا وقت ان ہی لڑائی جھگڑوں میں گذرا اور بے کار گذرا ۔

جبری صلح کرنی پڑی گرمی آئی تو دشمنوں نے خواجہ یحیٰی کو صلح کے لئے بھیجا ۔ اور خود بھی لشکر کشی کے ارادے سے شیراز اور کابر[3] کے آس پاس پہنچ گئے[4] ۔

میرے پاس دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم سپاہی ہوں گے ۔ چاروں طرف سے دشمنوں کا ہجوم تھا

---

[1] مسٹر جان لیڈی نے ۱۴ فرسنگ لکھی ہیں [2] بابر جب سمرقند چھوڑ کر اندجان چلا گیا تو علی مرزا بخارا سے چلا اور سمرقند پر قبضہ کر لیا [3] مسٹر جان لیڈی نے نوٹ میں اس کو کبود لکھا ہے اور ایک قلمی نسخے میں کامد ہے ۔

[4] مسٹر جان لیڈی نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے کہ " موسم بہار میں جب سلطان علی مرزا اپنے لشکر کے ساتھ شیراز اور کابد کی طرف چلا تو خواجہ یحیٰی کو صلح کے لئے میرے پاس بھیجا ۔

اس لئے اندجان واپس جانے میں نصیب نے یاوری نہ کی۔ اور کوئی تدبیر بن نہ پڑی۔ مجبوراً صلح کرنی پڑی اور بشاغرح واپس جانا پڑا۔

بے وطنی اور آوارہ گردی | خجند چھوٹی سی جگہ ہے۔ اس میں مشکل سے کسی سردار کی گذر ہو سکتی ہے دو ڈیڑھ برس مجھے وہاں ٹھیرنا پڑا۔ وہاں کے مسلمانوں نے جہاں تک ممکن ہوا پیسہ بھی دیا اور خدمت بھی کی۔ اب دوسری دفعہ خجند کس منہ سے جاتا اور خجند جاتا بھی تو کیا کرتا اسی تردد اور پریشانی کے سبب ان ایلاق میں چلا گیا۔ جو اوراتیبہ کے جنوب میں ہیں۔ اور وہاں حیران وپریشان، بے ٹھکانے اور بے آسرا کچھ دن گذارے۔

خواجہ ابوالمکارم سے ملاقات | وہیں ایک دن خواجہ ابوالمکارم ملنے آیا۔ وہ بھی میری طرح جلاوطن ہو کر آوارہ گردی کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ یہیں ٹھیروں یا کسی طرف نکل جاؤں

آنسوؤں کی لڑیاں | اُسے بہت رنج ہوا اور وہ میری حالت زار پہ رو دیا۔ اور فاتحہ پڑھ کر چلا گیا۔ میرا دل بھی بھر آیا۔ اور میں رونے لگا۔

یول جوق خوشخبری لایا | اسی دن ظہر کا کچھ وقت باقی تھا کہ ایکا ایکی پہاڑ کے درّے میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ وہ علی دوست طغائی کا نوکر یول جوق تھا۔ علی دوست نے اس کے ہاتھ پیغام بھیجا تھا۔ کہ میں نے گو خطائیں کی ہیں۔ مگر امیدوار ہوں کہ خدا کے لئے میرے گناہ بخش دیجئے۔ اور یہاں تشریف لے آیئے۔ میں مرغینان نذر کر کے حقِ خدمت ادا کروں گا۔ تاکہ میرے گناہ دھل جائیں اور شرمندگی جاتی رہے۔

مرغینان کی طرف | ایسی حیرانی پریشانی میں جو یہ خوشخبری ملی۔ تو میں نے ذرا سی بھی دیر نہ کی۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ اسی وقت مرغینان روانہ ہوا۔

تنگ آب میں پڑاؤ | وہاں سے مرغینان کا فاصلہ ۹۶[ل] میل ہو گا۔ اس ساری رات اور دوسرے دن ظہر تک کہیں نہ ٹھیرے۔ چلتے ہی رہے۔ ظہر کے وقت تنگ آب[ع] نام کے گاؤں میں اُترے۔ وہ خجند کے

ل مسٹر جان لیڈی نے یہ فاصلہ تقریباً ۹۶ یا ۱۰۰ میل لکھا ہے ع تنگ آب

علاقے میں ہے۔

طوفانی سفر گھوڑوں کو دانہ کھلایا اور ذرا سستائے۔ پھر آدھی رات کو نقارے کے وقت تنگ آب سے چل نکلے۔ اس آدھی رات کو صبح تک۔ دوسرے دن، دن بھر اور پھر دوسری رات کو صبح ہونے سے ذرا پہلے تک چلتے رہے۔

ویس بیگ کا اندیشہ جب مرغینان چار میل رہ گیا۔ تو ویس بیگ نے عرض کیا۔ کہ علی دوست وہی تو ہے۔ جس نے بے حد برائیاں کی ہیں۔ بیچ میں نہ کوئی آدمی ایک دو دفعہ آیا گیا۔ نہ عہد و پیمان ہوئے۔ نہ بات چیت ہوئی۔ پھر کس بھروسے پر ہم وہاں جا رہے ہیں؟

اور کوئی آسرا نہ تھا اس میں شک نہیں کہ یہ اندیشہ بے وجہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرے۔ آپس میں صلاح مشورہ کیا۔ آخر یہی طے ہوا کہ یہ اندیشہ گو صحیح ہے مگر پہلے سوچنا چاہیئے تھا۔ تین چار دن تکلیف اٹھائی کہیں دم نہ لیا۔ سو میل چل کر آ گئے۔ نہ گھوڑوں میں دم ہے۔ نہ آدمیوں میں سکت ہے۔ اس صورت میں یہاں سے کیسے پھریں۔ اور جائیں بھی تو کہاں جائیں۔ جب یہاں تک آ گئے ہیں تو اب چلنا ہی چاہیئے خدا جو چاہے گا وہی ہوگا۔

چناں چہ خدا پر توکل کر کے روانہ ہوئے۔

علی دوست سے عہد و پیمان صبح کی نماز کا اول وقت تھا۔ جو ہم مرغینان کے قلعے کے دروازے پر پہنچے علی دوست طغائی دروازے کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے دروازہ بند رکھا۔ اور عہد و پیمان کی التجا کی۔ عہد و پیمان کے بعد اس نے دروازہ کھولا اور خدمت میں حاضر ہوا۔

اوزون اور تنبل کا ظلم و ستم علی دوست سے ملنے کے بعد ہم قلعے کے اندر ایک مناسب مکان میں اترے میرے ساتھ اس وقت چھوٹے بڑے دو سو چالیس آدمی تھے۔

دراصل مجھے اس لئے بلایا گیا تھا۔ کہ اوزون حسن اور احمد تنبل نے رعیت پر بہت زیادہ ظلم و ستم برپا کر رکھے تھے۔ اس لئے تمام اہلِ ملک نے مجھے بلانے کی خواہش کی تھی۔

قاسم بیگ کی یلغار مرغینان پہنچنے کے دو تین دن بعد ان لوگوں میں سے جو بشاغرج میں نئے نئے بھرتی

کئے تھے اور علی دوستؔ بیگ کے نوکروں میں سے سو سے زیادہ آدمیوں کو قاسم بیگ کے ہمراہ اندجان کے جنوب کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہاں اشپاریوں۔ تورِوق شاریوں اور جکراکوں[۲] جیسی پہاڑی قوموں سے تعلق پیدا کیا جائے۔ اور دریائے خجند سے پار اتر کر وہاں کے قلعوں کو لے لیا جائے۔ اور وہاں کے پتاری لوگوں کو جس طرح ہو سکے ہماری طرف مائل کیا جائے۔

اوزون اور تنبل کا حملہ | کچھ دن بعد اوزون حسن اور سلطان احمد تنبل نے جہانگیر مرزا سمیت جتنی فوج تھی اس کو ساتھ لیا۔ کچھ مغلوں کو اکٹھا کیا۔ اور آخشی اور اندجان سے جتنا لشکر مل سکا اس کو سمیٹا اور مرغینان پر حملہ کرنے آئے۔ اور مرغینان کی مشرقی جانب دو ڈیڑھ میل کے فاصلے پر سنان[۳] نامی گاؤں میں ٹھیرے وہ ایک روز سستائے۔ پھر سامان درست کر کے مرغینان کے آس پاس کے مقامات پر آدھمکے۔

میدانِ جنگ میں | قاسم بیگ، ابراہیم سارو اور ویس لاغری جیسے سرداروں کو دو طرف دھاوے کے لئے بھیجا جا چکا تھا۔ اور میرے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی۔ پھر بھی میں اسی کو ٹھیک ٹھاک کر کے نکلا۔ اور میرے ساتھیوں نے دشمنوں کو آگے نہ بڑھنے دیا۔

خلیل چہرہ کی بہادری | اس دن خلیل چہرہ دستار پیچ خوب لڑا اور کامیاب ہوا۔ دشمن کچھ نہ بنا سکے اور دوسری دفعہ انھیں شہر کے قریب آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

قاسم بیگ کی کمک | قاسم بیگ جو اندجان کے جنوب کی طرف پہاڑی ملک میں گیا ہوا تھا اشپاریوں، تورِوق شاروں، جکرکوں اور وہاں کی رعایا کو جن میں دیہاتی، جنگلی، پہاڑی اور خانہ بدوش قومیں تھیں اپنے ساتھ لئے ہوئے آپہنچا۔

دشمن کے سپاہی آملے | دشمن کے سپاہیوں میں سے بھی ایک ایک دو دو آدمی بھاگ کر آنے شروع ہو گئے۔

قلعوں پر قبضہ | ابراہیم سارو اور ویس لاغری وغیرہ نے جو دریا پار کر کے آخشی کی طرف گئے تھے۔ قلعہ باب پر اور دو ایک اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

اوزون اور تنبل سے رعیت کی بیزاری | اوزون حسن اور تنبل، ظالم، فاسق اور کافر وش آدمی تھے ساری رعیت ان سے

---

[۱] میر دوست بیگ۔ [۲] جکراگ [۳] سیان یا سپان۔

ناراض تھی۔

حسن دیگچی کا کارنامہ | آخشی کے امرا میں سے حسن دیگچی نے اپنے گروہ کے ساتھ کچھ غنڈوں اور لفنگوں کو ملا کر بلوے پر آمادہ کر لیا۔ اور ان سب نے ان لوگوں کو جو آخشی کے سنگین قلعے میں تھے مارتے مارتے محل شاہی کے اندر دھنسا دیا۔ اور ابراہیم سارو، ویس لاغری، سیدی قرا اور ان کے ساتھ جو سردار تھے ان سب کو قلعے میں داخل کر لیا۔

ماموں نے کمک بھیجی | سلطان محمود خاں نے بندے علی اور اپنے دودھ شریک بھائی حیدر اور حاجی غازی مسنغت[1] کو ہماری مدد کے لئے بھیجا۔ مسنغت اسی زمانے میں شیبانی خاں کے پاس سے بھاگ کر خان[2] کے پاس پہنچا تھا۔ قبیلۂ نارین[3] کے امرا بھی ان کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔ یہی موقعہ تھا کہ یہ کمک آن پہنچی۔

اوزون حسن کی پریشانی | اوزون حسن یہ خبر سنتے ہی گھبرا گیا۔ جن لوگوں کو اس نے بڑھایا تھا اور جو اس کو کام دے سکتے تھے۔ ان سب کو آخشی کے محل شاہی کی کمک پر متعین کر کے بھیج دیا۔ وہ لوگ صبح دریا کنارے پہنچے۔

نقشہ جنگ | ہمارے اور مغلوں کے لشکروں کو ان کا حال معلوم ہوا تو کچھ آدمیوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھوڑوں سے سامان اُتار دیں اور دریا کے پار اُتر جائیں۔

دشمن پیچھے ہٹا | دشمن کی جو فوج کمک کو پہنچی تھی۔ وہ گھبرا گئی۔ اور کشتی کو اوپر نہ کھینچ سکی۔

جب وہ فوج قلعے میں نہ جا سکی تو جس راستے سے آئی تھی۔ اپنی جان بچا کر اسی راستے سے پیچھے ہٹ گئی۔

زبردست حملہ | ہماری اور مغلوں کی فوج میں سے جو جہاں تھا۔ وہیں سے گھوڑوں کی ننگی پیٹھوں پر سوار ہو کر حملہ آور ہوا۔

بخشی کی جوانمردی | کشتی میں جو لوگ تھے وہ ذرا بھی نہ لڑ سکے۔

---

[1] منغست [2] سلطان محمود خاں کی طرف اشارہ ہے [3] بارین

قارلوغاج بخشی نے مغل بیگ کے ایک لڑکے کو بلایا۔ اور اس کا ہاتھ تھام کر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔

کام پہلے ہی بگڑ چکا تھا۔ اس لئے ان باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوا۔

اوزون کے ساتھیوں کا قتل عام

کشتی والوں کی اکثریت قتل ہوئی۔

جو لوگ دریا میں تھے۔ خشکی پر لائے گئے اور ان سب کو مار ڈالا۔

اوزون حسن کے معتبر آدمیوں میں سے قارغاج بخشی، خلیل دیوانہ اور قاضی غلام تھے ان میں سے قاضی غلام اس بہانے بچا کہ غلام تھا۔

سپاہیوں میں سے سید علی جو اب میرے پاس بڑھا چڑھا ہوا ہے اور حیدر قلی تلکہ کاشغری وغیرہ پانچ چھ آدمی تھے جو ستر اسی آدمیوں میں سے بچے۔

اوزون اور تنبل کی پسپائی

دشمن یہ خبر بد سن کر مرغلیان کے آس پاس نہ ٹھیر سکے اور بڑی بے سر و سامانی سے اندجان بھاگے۔

اوزون کا بہنوئی مجھ سے ملا

وہ اندجان میں ناصر بیگ کو چھوڑ آئے تھے۔ وہ اوزون حسن کا بہنوئی تھا اور اگر اس کا ثانی نہ تھا تو ثالث ضرور تھا۔

وہ تجربے کار آدمی تھا۔ اور بہت بہادر تھا۔ ان حالات کو سن کر اور اپنے ساتھیوں کی کمزوری محسوس کر کے اس نے اندجان کے قلعے کے دروازے ان پر بند کر دئے اور میرے پاس آدمی بھیجا۔

اوزون اور تنبل کی علیحدگی

دشمن جب اندجان پہنچے اور قلعہ بند پایا تو کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور سب تتر بتر ہو گئے۔[1]

اوزون حسن تو اپنے وطن آخشی چلا گیا اور سلطان احمد تنبل اپنے وطن اوش روانہ ہوا۔

جہانگیر، اوزون کی بجائے تنبل کے پھندے میں

جہانگیر مرزا کو اس کے حاشیہ بردار اور ملازمین اوزون حسن سے علیحدہ کر کے تنبل کے پاس لے بھاگے اور تنبل اوش نہ پہنچنے پایا تھا کہ وہ لوگ اس سے جا ملے۔

اندجان پھر ہاتھ آگیا

مجھے جیسے ہی معلوم ہوا کہ اندجان کی رعیت میری طرف دار ہے۔ میں تامل کئے بغیر

---

[1] دشمن جب اندجان پہنچے اور انہیں معلوم ہوا کہ قلعے والے میرے ساتھ ہیں تو کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے اور تتر بتر ہو گئے

اندجان چلا۔ سورج نکلتے ہی روانگی ہوئی۔ دن ڈھلے اندجان پہنچا۔

ناصر بیگ اور اس کے دونوں بیٹے دوست بیگ اور میرم بیگ حاضر ہوئے۔ میں ان سے ملا۔ اور ان کا حال پوچھا۔ ان پر عنایت و مہربانی کی۔ اور لطف و کرم کا امیدوار بنایا۔

تقریباً دو برس ہوتے باپ دادا کا ملک ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ خدا کے فضل سے ذیقعد[1] ۹۰۴ھ میں پھر فتح ہوا۔

تنبل وش سے نکالا گیا سلطان احمد تنبل، جہانگیر مرزا کو لے کے اوش گیا تھا۔ وہ جو وہاں پہنچے تو وہاں کے غنڈوں اور لفنگوں نے لاٹھیاں مار مار کے انھیں اوش سے باہر نکال دیا۔ اور قلعے کو میرے لئے بچالیا اور میرے پاس آدمی بھیجا۔

تنبل اور کند چلا گیا جہانگیر اور تنبل حیران و پریشان چند آدمیوں کے ساتھ اوش سے اور کند چلے گئے۔

اوزون کا تعاقب اوزون حسن جب اندجان نہ جاسکا۔ تو آخشی چلا گیا۔ مجھے بھی خبر ملی کہ وہ آخشی پہنچ گیا۔

مفسدوں کا سرغنہ اور فساد کی جڑ وہی تھا۔ اس لئے اس کا حال سننے کے بعد میں اندجان میں چار پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھیرا اور آخشی چلا۔

اوزون کی ہار میں آخشی پہنچا۔ تو اس سے کچھ بن نہ پڑا۔ عہد و امان کا طلبگار ہوا۔ اور قلعہ میرے حوالے کر دیا

آخشی اور کاشان پر قبضہ میں چند روز آخشی ٹھیرا اور آخشی اور کاشان کا اچھی طرح انتظام کیا اور وہاں کے تمام کام ٹھیک ٹھاک کئے۔ پھر ان مغل امرا کو رخصت کیا جو میری مدد کو آئے تھے۔

اوزون کی سیاسی زندگی کا خاتمہ میں اپنے ساتھ اوزون حسن کو اس کے اہل و عیال اور متعلقین سمیت اندجان لے آیا۔ اس سے عہد کر لیا تھا۔ اس لئے اس کے جان و مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اور قرآنگین[3] کے

---

[1] جون ۱۴۹۹ء [2] مسٹر جان لیڈن کے ترجمے میں یہ فقرہ بھی درج ہے کہ "قاسم ایوب کو جو ادنیٰ سرداروں میں سے تھا اور اعلیٰ درجے پر پہنچ گیا تھا چند دن کے لئے آخشی کا حاکم بنا دیا۔ [3] قیرتگین یا قیراتگین۔

راستے اُسے حصار جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حصار چلا گیا۔

دشمنوں نے دوستی کی نقاب اوڑھی اس کے بہت سے نوکر چاکر جو باقی رہ گئے۔ وہ میرے پاس ٹھیر گئے۔ یہی وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے میرے اور خواجہ قاضی کے ساتھیوں کو لوٹا اور تباہ کیا تھا۔

لوٹ کا مال چند امیروں نے متفقہ طور پر مجھ سے کہا کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے ہمارے ساتھ برائیاں کی ہیں۔ اور ہمارے مسلمان ساتھیوں کو لوٹا ہے اور برباد کیا ہے۔ پھر انھوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا ہے جو اب ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے۔ ہم انھیں لوٹ لیں یا گرفتار کر لیں تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ یہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ہمارے کپڑے پہنتے ہیں اور ہماری ہی بکریاں کاٹ کاٹ کے کھاتے ہیں۔ ان کے یہ ستم ہم کس طرح برداشت کریں؟

رحم و کرم کے سبب انھیں تباہ و برباد نہ کیا جائے اور انھیں گرفتار نہ کیا جائے۔ تو کم از کم اتنا تو ضرور ہونا چاہیئے۔ کہ جن لوگوں نے لڑائیوں اور مصیبتوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے۔ انھیں اجازت دے دی جائے کہ ان کا جو سامان موجود ہے وہ اسے پہچان کر واپس لے لیں۔ اتنی سی بات میں ان کا پیچھا چھوٹ جائے۔ تو انھیں احسان مند ہونا چاہیئے۔

میرا فیصلہ حقیقت میں یہ باتیں معقول معلوم ہوئیں اور میں نے حکم دے دیا کہ جن لوگوں نے ہمارا ساتھ دیا تھا۔ وہ اپنا مال پہچان کر لے لیں۔

فیصلے کے برے نتیجے یہ فیصلہ اگرچہ ٹھیک تھا اور بے وجہ نہ تھا پھر بھی ذرا جلدی ہوئی۔ ملک گیری اور ملک داری کے سلسلے میں بعض کام بظاہر معقول اور مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ پھر بھی ہر کام کے لئے لاکھ طرح کی اونچ نیچ دیکھنی واجب ہے۔ میں نے جو بے سوچے سمجھے یہ حکم دے دیا۔ اس سے بڑے فتنے پیدا ہوئے۔ یہی وہ حکم تھا جس کے سبب ہمیں اندجان سے دوبارہ نکلنا پڑا۔ اسی کی وجہ سے مغلوں کو اندیشے پیدا ہوئے۔ اور وہ رباطک اور چلنی سے جس کو دو آبہ بھی کہتے ہیں اوزگند کی طرف چل دیئے۔ اور تنبل کے پاس آدمی دوڑائے اور اُسے خبر بھیجی۔

مغلوں کی بغاوت میری والدہ کے پاس تقریباً ڈیڑھ ہزار مغل تھے۔ ان کے علاوہ حصار سے حمزہ سلطان،

مہدی سلطان اور محمد دغلت کے ساتھی مغل بھی آ گئے۔ ان کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔

مغلوں نے ہمیشہ بغاوتیں اور برائیاں کی ہیں۔ آج تک پانچ دفعہ تو مجھ ہی سے بغاوت کر چکے ہیں۔ اس کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ مجھ کو غیر سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

سُلطان قلی چناق | سلطان قلی چناق نے مجھے مغلوں کی اس بغاوت کی خبر پہنچائی۔ یہ وہ آدمی ہے۔ جس کے باپ ندا بیروی بوفاق کے ساتھ میں نے مغلوں میں سب سے زیادہ سلوک کئے تھے۔ اب وہ مر چکا تھا۔

سلطان قلی خود بھی مغلوں کے ساتھ تھا۔ اس نے بڑا کام کیا۔ کہ اپنی قوم اور گروہ سے جدا ہو کر مجھے یہ خبر پہنچائی۔

اس موقع پر اگرچہ اس نے کام دیا۔ لیکن آخر میں اس نے ایسی ایسی برائیاں کیں۔ کہ ایسی سو خدمتیں بھی ہوں تو بے کار جائیں۔ تفصیل آگے بیان کروں گا۔ اس نے جو برائیاں کیں۔ وہ اس کے مغل ہونے کا نتیجہ تھیں۔

صلاح مشورے | اس خبر کے ملتے ہی امرار کو جمع کیا اور صلاح کی۔ سب نے یہی عرض کیا۔ کہ یہ معمولی سا کام ہے۔ حضور کے ساتھ چلنے کی ضرورت نہیں۔ قاسم بیگ کو امراء اور لشکر کا سردار بنا دیجئے۔ وہ سب کو لے جائے۔ چناں چہ یہی بات قرار پا گئی۔

تنبل نے مغلوں کو مدد دی | اس کام کو آسان سمجھا۔ یہ غلطی ہوئی۔

قاسم بیگ اسی روز اپنے لشکر اور امرار کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہ سب راستے ہی میں تھے اور منزل پر پہنچنے نہ پائے تھے کہ تنبل مغلوں سے جا ملا۔

تنبل نے شکست دی | اسی رات کی صبح کو یاسی کی چت کے گھاٹ سے دریائے ایلامیش کے پار ہوتے ہی آمنا سامنا ہو گیا۔ زبردست لڑائی ہوئی۔ قاسم بیگ نے سلطان محمد ارغون کا مقابلہ کیا۔ اور دو تین دفعہ پے در پے ایسی تلواریں ماریں۔ کہ اس کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ میرے اور بہت سے جوانوں نے بھی مقابلہ کیا۔ اور خوب لڑے۔ لیکن آخر کار شکست کھائی۔

بچ کر آنے والے | قاسم بیگ، علی دوست طغائی، ابراہیم سارد، ویس لاغری، سیری قرا اور امراء اور مقربین میں سے تین چار اور آدمی بچ کر نکل آئے

وہ جو گرفتار ہوئے | امرار وغیرہ کی اکثریت پکڑی گئی۔ علی درویش بیگ، میرم لاغری، توقد بیگ، طغائی

بیگ، علی دوست، میر شاہ قوچین اور میرم دیوانہ وغیرہ پکڑے گئے۔

صمد اور شہسوار کا معرکہ اس معرکہ میں دونو جوان خوب لڑے۔ ہماری طرف سے ابراہیم سارو کے چھوٹے بھائیوں میں سے صمد اور ادھر سے حصاری مغلوں میں سے شہسوار نامی جوان کا آمنا سامنا ہوا شہسوار نے ایسی تلوار ماری کہ صمد کے خود کو کاٹتی ہوئی سر میں اتر گئی۔

اس زخم کے باوجود صمد نے ایسا ہاتھ مارا کہ اس کی تلوار شہسوار کے سر میں سے ہتھیلی کے برابر ہڈی کا ٹکڑا کاٹتی ہوئی نکل گئی۔

شہسوار کے سر پر خود نہ تھا۔ لیکن اس کے سر کا زخم اچھی طرح باندھ دیا گیا اس لئے وہ اچھا ہو گیا۔ ادھر کوئی نہ تھا جو صمد کی خبر لیتا۔ وہ تین چار دن بعد اسی زخم سے مر گیا اور مصیبتوں سے بچ گیا۔

بے ڈھب شکست ملک لیتے ہی یہ عجیب اور بے ڈھب شکست ہوئی۔

قنبر علی فعل ہمارے ہاں قنبر علی فعل رکن اعظم تھا۔ میں نے جب اندجان فتح کیا تو وہ اپنے وطن چلا گیا تھا۔

تنبل اندجان پر چڑھا اس نازک موقع پر تنبل جہانگیر مرزا کو ساتھ لئے ہوئے آدھمکا۔ وہ اندجان سے دو میل کے فاصلے پر ایک سبزہ زار میں جو پشتۂ عیش کے سامنے ہے آن ٹھیرے۔

چل دختران سے پشتۂ عیش تک وہ دو ایک دفعہ تیار ہو کر چل دختران سے پشتۂ عیش کے دامن تک آئے۔ ہمارے جوان بھی محلات اور باغات سے تیار ہو کر نکلے۔ لیکن دشمن آگے نہ آیا۔ پشتۂ عیش کے دامن ہی سے الٹا پھر گیا۔

میرم لاغری اور توقد کا قتل جن دنوں انھوں نے اندجان پر چڑھائی کی۔ اسی زمانے میں انھوں نے ہمارے گرفتار شدہ آدمیوں میں سے میرم لاغری اور توقد کو قتل کر ڈالا۔

تنبل نے اوش چھین لیا تقریباً مہینہ بھر تک دشمن وہاں پڑا رہا۔ لیکن کچھ بگاڑ نہ سکا آخر وہ سب اوش چلے گئے۔ میں نے اوش ابراہیم سارو کو دے دیا تھا۔ اس وقت وہاں اس کا کوئی آدمی نہ تھا۔ اس لئے دشمنوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

۹۰۵ھ کے واقعات[1]

باقاعدہ جنگ کی تیاریاں | اپنے ملک میں سواروں اور پیادوں کی جتنی فوج تھی۔ اس کو بلانے کے لئے ہرکارے بھیجے اور جلد پہنچنے کی تاکید کی۔

قنبر علی کے پاس اور لشکر میں سے جو سپاہی اپنے اپنے وطن چلے گئے تھے۔ ان کے پاس خاص طور سے ہرکارے دوڑائے۔

تورا، سیڑھیاں، پھاوڑے، کلہاڑیاں اور لشکر کا دیگر سامان مہیا کرنے کے لئے آدمی مقرر کئے۔

چاروں طرف سے جو سپاہی، سوار اور پیادے آتے رہے۔ انہیں یکجا ٹھیرایا گیا۔ جتنے نوکر اور سپاہی ادھر ادھر انتظام کے لئے چلے گئے تھے۔ ان کو بھی جمع کیا۔

چارباغ | اٹھارویں[2] محرم کو خدا پر توکل کر کے حافظ بیگ کے چارباغ کی طرف روانہ ہوا دو ایک روز چارباغ میں رہ کر جتنا اسباب حرب وضرب باقی رہ گیا تھا۔ اس کو تیار کیا۔ اور لڑائی کی صفیں دائیں بائیں اور لشکر کے بیچ میں اور لشکر کے آگے سوار اور پیادوں سے ترتیب دے کر اوش چلا۔

لات کند | اوش کے قریب پہنچے تو دشمن اوش کے آس پاس نہ ٹھیر سکے اور رباط سرہنگ[3] میں بھاگ گئے جو اوش کے شمال میں ہے۔

ہم اس رات لات کند میں ٹھیرے۔ صبح اوش سے چلتے وقت خبر ملی کہ دشمن اندجان چلا گیا۔

اور کند کو لوٹنے کا ارادہ | ہم اور کند چلے۔ اور فوج کا ایک دستہ اور کند کو لوٹنے کے لئے اپنے سے آگے بھیجا۔

اندجان پر تنبل کا ناکام حملہ | دشمن جو اندجان گیا۔ تو راتوں رات خندق میں جا پہنچا۔ لیکن جب فصیل پر سیڑھیاں لگانی چاہیں تو شہر والے ہوشیار ہو گئے۔ اور حملہ آور کچھ نہ بگاڑ سکے۔ ناکام الٹے پھرے

بے فائدہ لوٹ | ہم سے آگے فوج کا جو دستہ گیا تھا۔ اس نے اور کند کے آس پاس کے علاقے کو لوٹا ۔۔۔ مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔

---

[1] مطابق ۸ راگست ۱۴۹۹ء [2] مطابق ۲۵ راگست ۱۴۹۹ء [3] رباط سرہنگ اور چینی

قومی اور جماعتی زندگی کے نفسیاتی مؤثرات

از

(جناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

"نفسیات" کا مسئلہ نہایت اہم ہے قومی اور اجتماعی مسائل کے حل کرنے کے لئے اس کا سمجھنا بہت ضروری ہے اس کے بغیر صحیح معنوں میں نہ کوئی شخص جماعتی زندگی میں حصہ لے سکتا ہے نہ اس کی قیادت کرسکتا ہے اور نہ ٹھیک تعلیم و تربیت کا انتظام کرسکتا ہے۔

ظاہر ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ انسانی فطرت کیا ہے؟ اندرونی زندگی کے مؤثرات و محرکات کیا ہیں؟ خارجی زندگی میں ان کا کس قسم کا اثر پڑتا ہے اس وقت تک کسی قوم و جماعت کے بارے میں نہ راہِ عمل متعین کی جاسکتی ہے اور نہ صحیح فیصلہ ہوسکتا ہے۔

جدید دنیا نے اس مسئلہ کو مستقل علم کی شکل دے کر نہایت شاندار اور قیمتی بحثیں کی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہر طبقہ و ہر پیشہ کی تعلیم سے پہلے ان کی نفسیاتی عوامل کا مطالعہ کیا جاتا ہے پھر ان کے لئے راہِ عمل کا تعین ہوتا ہے۔

یہاں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کرنی مشکل ہے چند ابتدائی اور بنیادی باتیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ قومی اور جماعتی زندگی سمجھنے میں کسی قدر سہولت ہوسکے۔

فطرت قبول حق کی قوت واستعداد کا نام ہے

قرآن حکیم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مؤثرات جن کا اثر عملی زندگی پر پڑتا ہے بنیادی حیثیت سے چار ہیں۔ (۱) فطرت (۲) وراثت (۳) ماحول اور (۴) تعلیم و تربیت اب ان میں سے ہر ایک کی بالترتیب تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اس کی حیثیت تخم کی ہے جس طرح تخم میں بالقوۃ نشوونما اور درخت بننے کی قوت موجود ہوتی ہے اسی طرح فطرت میں نشوونمائی اور برگ و باری کی استعداد ہوتی ہے۔

اس بناء پر ہر انسان فطرتاً نیک ہوتا ہے اور جب تک دوسرے مؤثرات کا غلبہ نہیں ہوجاتا

ہے یہ فطرت برابر لائٹ کا کام دیتی رہتی ہے [۱]

اس کی بُنیاد درج ذیل آیتیں ہیں۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا [۳۰] — اللہ کی وہ تراش جس پر اس نے لوگوں کو تراشا [۲]

دراصل یہ تراش ہی ایسی ہے جس میں قبولِ حق کی استعداد بھر دی گئی ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم [۹۶/۴] — ہم نے انسان کو خوب سے خوب اندازے پر پیدا کیا۔ [۳]

فطرت کے بارے میں محققین کی رائیں | فطرت کے بارے میں محققین کی تصریحات یہ ہیں۔

لغتِ حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں ہے۔

"فطر" کے معنی ایجاد کرنا اور گھڑنا فطرت کا مطلب یہ ہے کہ انسان ابتداء اور اختراع کے مرحلہ میں جبلت وطبیعت کی ایسی حالت پر پیدا ہوتا ہے کہ اس میں قبولِ دین (حق) کی استعداد ہوتی ہے [۴]

"محلی ابن حزم" میں فطرت کی بھی تشریح مذکور ہے [۵]

امام غزالیؒ کہتے ہیں

تمام آدمیوں کا جوہر اصل فطرت میں قبول و اصلاح کی لیاقت رکھتا ہے جس طرح ہر لوہا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے [۶]

قاضی بیضاوی کہتے ہیں

انسان فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے یعنی قبولِ حق کی قدرت پر [۷]

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فطرت پر نہایت محققانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا [۸]

---

[۱] "Lexxican" کی لغت میں فطرت کی یہ تعریف ہے۔ فطرت۔ بچہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن جس پر کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں روحانی لحاظ سے بنایا جاتا ہے ۱۲ فطرت۔ پر قدیم وجدید فلسفیوں نے کافی بحث کی ہے۔ روسو۔ کے نزدیک انسان فطرتاً نیک پیدا ہوتا ہے پستالوزی اپنے دورِ اول اور دورِ آخر میں اسی کا قائل تھا اُن کے علاوہ دوسرے فلسفی جو اسلام سے زیادہ متاثر ہیں ان کے خیالات اس سے ملتے جلتے ہیں (ملاحظہ ہو پستالوزی کا فلسفۂ تمدن وتعلیم) [۲] ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب [۳] حوالہ بالا [۴] مجمع البحار ج ۳ ص ۸۵ [۵] از فیض الباری ج ۲ [۶] کیمیائے سعادت عنوان اول [۷] بیضاوی ص ۹۶ [۸] فیض الباری ج ۲ کتاب الجنائز ص ۴۸۴ تا ۴۸۹

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فطرت کے دو حصّے کئے ہیں اور ان دونوں کو ظاہری و باطنی خصوصیات پر محمول کیا ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں۔

"انسان کی ظاہری خصوصیت اس کا سیدھا جسم، دل کش رنگ اور دل ربا صورت ہے وہ اس وصف میں اپنی خاص ہیئت کے ساتھ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے اسی طرح اس کی باطنی خصوصیت سمجھ بوجھ عقل اور یہ کہ اُس میں اللہ کے معرفت کی طلب اس کی عبادت کا جذبہ اور زندگی میں انتفاع کی صورتیں وغیرہ بھر دی گئی ہیں یہ اس کی فطرت ہے"[۱]

ایک اور موقع پر شاہ صاحب تمام انبیاء کی تعلیمات کا خلاصہ طہارت۔ اخبات۔ سماحت اور عدالت میں بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

"والحالة المركبة منها تسمى الفطرة وللفطرة اسباب تحصل بها بعضها علمية وبعضها عملية"[۲]

ان چاروں اوصاف کی ترکیب سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کا نام فطرۃ ہے اور فطرۃ کے بہت سے علمی اور عملی اسباب انھیں اوصاف سے حاصل ہوتے ہیں۔

اس عبارت سے غالباً شاہ صاحب کا مقصد فطرت کا مزاج سمجھانا اور اس کے رجحانات کی سمت متعین کرنا ہے۔

قوتِ ملکیہ اور قوتِ بہیمیہ جن کا ذکر حدیثوں میں آتا ہے اور شاہ صاحب نے جس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے وہ فطرت کے ماسوا نیکی و بدی کے محرکات ہیں اور اس وقت میرے موضوعِ بحث سے خارج ہیں[ع]

ہر انسان فطرۃ پر پیدا ہوتا ہے یہ قاعدہ کلیہ ہے نہ کہ اکثریہ

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ قدرت کا قانون "فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا" اور رسول اللہ کا فرمان "کل مولود یولد علی الفطرۃ" (ہر بچہ فطرۃ پر پیدا ہوتا ہے) تمام انسانوں کے لئے عام ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص اور تفریق

ع ڈاکٹر ژانگ "Jung" نے "Persona" اور "Anima" کے نام سے جو بحث کی ہے وہ قوت ملکیہ اور بہیمیہ سے ملتی جلتی ہے (شاہ ولی اللہ کا فلسفۂ تعلیم)

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۳۳ [۲] حوالہ بالا ۱۷

نہیں ہے یعنی یہ قاعدہ کلیہ ہے نہ کہ اکثریہ کیوں کہ مذکورہ دونوں عبارتوں سے کلیت ہی ثابت ہوتی ہے۔ع

باقی رہیں وہ روایتیں اور حدیثیں جن سے بظاہر اس کلیت پر شبہ ہوتا ہے اور یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے مثلاً خضر علیہ السلام نے جس بچہ کو قتل کر دیا تھا اس کے لئے یہ فرمانا کہ وہ پیدائشی شریر اور کافر تھا یا رسول اللہ صلعم کا یہ فرمان کہ سعادت و شقاوت کا فیصلہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے یا جنتی اور دوزخی ہونے کا معاملہ اسی وقت طے ہو جاتا ہے جب کہ بچہ پشت میں ہوتا ہے اس قسم کی تمام روایتوں کا تعلق سعادت اور شقاوت کی بحث سے ہے نہ کہ فطرۃ سے۔ فطرۃ کا تعلق حس اور احساس سے ہے جو ابتدائی مرحلہ میں انسان کو عطا ہوتا ہے اور سعادت و شقاوت کا تعلق انسان کی پوری زندگی اور آئندہ کے تمام اعمال و افعال سے ہے۔

یہ اللہ کا انتہائی فضل و کرم ہے کہ اس نے مستقبل (آئندہ) کو ہم سے پوشیدہ رکھا تاکہ ہم راحت و سکون سے زندگی گذار سکیں لیکن علم الٰہی چونکہ حال و مستقبل کی قید سے پاک ہے اس لئے جو کچھ انسان اپنے قصد و ارادہ سے آئندہ کرے گا وہ سب کرنے سے پہلے علم الٰہی میں محفوظ اور موجود ہے اور بعینہ اسی طرح محفوظ ہے کہ گویا وہ کر چکا ہے۔ ہم مستقبل کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ اس بناء پر نہیں کر سکتے ہیں کہ اس کا قطعی علم ہمیں نہیں حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کو آئندہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے لاعلمی کا عذر نہیں ہے اس لئے آئندہ کے کاموں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنے قطعی علم کی بناء پر پیدائش کے وقت انسان کی سعادت و شقاوت کا فیصلہ کر دیتے ہیں جس طرح ہم اپنے ناقص علم اور تجربہ کی بناء پر آئندہ کا بجٹ بناتے ہیں۔

مذکورہ حدیثوں میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ علم الٰہی کی بناء پر ہے اور اس فیصلہ کی بجنسہٖ وہی صورت ہے جو کام کے بعد کی ہوتی ہے اس بناء پر نہ ان حدیثوں کا فطرت سے کوئی تعلق ہے اور نہ اس بات سے کہ بعض فطرتاً نیک بخت ہوتے ہیں اور بعض فطرتاً بدبخت۔ بلکہ ان کا تمام تر تعلق بعد کے اعمال و افعال سے ہے جنہیں انسان اپنے قصد و ارادہ سے کرے گا یہ فیصلے دراصل نتیجہ ہیں بعد کے کاموں کے نہ کہ بعد کے کام ان کے نتیجہ میں اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے ورنہ غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔

ع البتہ فلسفیوں کے یہاں اس بارے میں مختلف قول ملتے ہیں جن سے اس وقت مجھے بحث نہیں ۱۲

دوسرا وراثت ہے۔

(۴) کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بطور وراثت ملتی ہیں شاکلہ کی تفسیر سے وراثت پر استدلال

وراثت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کچھ خاصیتیں اور صلاحیتیں بطور وراثت ملتی ہیں یعنی جس طرح انسان صورت شکل میں والدین اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک مشابہ ہوتا ہے اسی طرح سیرت میں کسی نہ کسی درجہ مشابہت ہوتی ہے اور مزاج وطبیعت کے بنانے میں اس کو بھی دخل ہوتا ہے[ع]

قرآن حکیم کی درج ذیل آیت میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

کل یعمل علی شاکلتہ $\frac{۱۷}{۸۴}$ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر[۱]

ڈول ہندی لفظ ہے جس کے معنی ابتدائی صورت۔ بناوٹ۔ ڈھانچہ وغیرہ ہیں۔

عربی میں شاکلۃ شاکل کی مؤنث ہے معنی مثل۔ نظیر۔ مشابہت۔ مسلک۔ طریقہ۔ مذہب وغیرہ ہیں محاورہ ہے لستَ علی شکلی ولا علی شاکلتی[۲] (تو میرے مسلک اور طریقہ پر نہیں ہے) فیہ شکلۃ او شاکل من ابیہ[۳] (اس میں اپنے باپ سے مشابہت ہے)

محققین کی تصریحات یہ ہیں:۔

ابو بکر جصاصؒ کہتے ہیں کہ

مجاہد نے اس کی تفسیر "طبیعت" سے کی ہے اور بعضوں نے اس سے مراد وہ عادتیں لی ہیں جن پر انسان کی ترکیب ہوئی ہے علی عادتہ التی الفہا خود ابو بکر کے نزدیک اس کے معنی "

ع اس سلسلہ میں "اجتماعیات" کا بیان یہ ہے

قوم صرف مادیات میں اپنے اسلاف کی پیروی نہیں کرتی بلکہ وہ ان کے جذبات واحساسات سے بھی متاثر ہوتی ہے ...... عملی زندگی کے مؤثرات کی تین قسمیں ہیں (۱) آباء واجداد یعنی گذشتہ سلسلۂ خاندان کا اثر جو تمام اسباب سے قوی ہوتا ہے (۲) ماں باپ کا اثر (۳) ملک جغرافیائی حدود آب و ہوا اور گرد و پیش کی چیزوں کا اثر ...... ہر قوم میں چند اخلاقی اوصاف پائے جاتے ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں یہ اخلاقی وعقلی اوصاف جن کے مجموعہ سے ہر قوم میں ایک مشترک روح پیدا ہوتی ہے زمانہ کے سیکڑوں برس کی گردش کا نتیجہ ہوتے ہیں اس لئے وہ ہر قوم کے عہد گذشتہ کا خلاصہ اس کے آباء واجداد کی وراثت اور اس کی موجودہ روش کا مبدء اولین ہے اخلاق ایک موروثی چیز ہے اور وراثت کو صرف وراثت ہی زائل کر سکتی ہے۔ (انقلاب الامم ص۱۲۹) [۱] ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب [۲] ترجمان القرآن ج۲ ص۲۷ [۳] المنجد۔

جس کے وہ لایق اور مشابہ ہے'' جس طرح قرآنِ حکیم میں دوسری جگہ ہے الخبیثات للخبیثین والطیبات للطیبین (خبیث اور گندی باتیں خبیث اور گندے لوگوں کے لئے ہیں اچھی اور پاکیزہ باتیں اچھے اور پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں) اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہیئے[1]

مدارج السالکین کی شرح منازل السائرین میں بھی یہی معنی بیان ہوئے ہیں[2]۔

قاضی بیضاوی آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔

''ہر آدمی اس طریقے پر عمل کرتا ہے جو طریقہ ہدایت و ضلالت میں اس کی حالت کے مشابہ ہوتا ہے اور اس طریقے پر عمل کرتا ہے جو جوہرِ روح اور مزاج بدن کی حالتوں کے مشابہ ہوتا ہے[3]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں

''علی شاکلتہ ای طریقتہ التی جبل علیہ[4] — اپنے اس طریقے پر جس پر اس کی جبلت کی گئی ہے

یہ بات تو بہرحال مسلم ہے کہ انسان کی ظاہری صورت کی طرح اس کی ایک معنوی صورت بھی ہوتی ہے جو ابتداء میں بنتی ہے اور تاثیر کے فعل کو قبول کرتی ہے اس مرحلہ میں چوں کہ ماں باپ زیادہ قریب ہوتے ہیں اس بناء پر ان کا زیادہ اثر پڑتا ہے اور ان کے توسط سے تمام ان لوگوں کا اثر پڑتا ہے جن کا ماں باپ پر اثر ہے درج ذیل بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

علامہ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں

شاکلۃ کے معنی اس طریقے اور روش کے ہیں جو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے فراء کا بیان بھی یہی ہے[5]

ظاہر ہے کہ یہاں فطرت کے معنی وہ نہیں ہو سکتے جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں کیوں کہ فطرت کے فعل میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور آیت میں یکسانیت بیان کرنا مقصود نہیں ہے اس بناء پر علامہ نے فطرت سے وہ معنوی صورت مراد لی ہوگی جو ابتداء میں انسان کو دی جاتی ہے یعنی جس

---

[1] احکام القرآن ج ۳ ص۲۵۵ [2] منازل السائرین ج ۲ ص۲۰۷ [3] بیضاوی ص۴۰۹ [4] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص۲۰ و ۲۲ [5] البحر المحیط ج ۶ ص۷۸ از لغات القرآن۔

نہاد پر اس کو بنایا جاتا ہے اور جس خمیر پر اس کو اٹھایا جاتا ہے۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں۔

"ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر ع ہر کسے آں کند کز وشاید" یعنی اس سجیہ (بناوٹ) پر کہ جس کا تم نے اسے پابند کیا ہے کیوں کہ سجیہ کا غلبہ انسان پر چھایا رہتا ہے جیسا کہ میں نے "الذریعہ الی مکارم الشریعہ" میں بیان کیا ہے یہ آیت اسی طرح کی ہے جیسا کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے "کل میسر لما خلق لہ" ہر ایک کے لئے وہی چیز آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔[1]

یعنی ابتدائی سرشت میں جس کے لئے جو صلاحیتیں مہیا کر دی گئی ہیں اسی کے کرنے میں انسان کو سہولت ہوتی ہے یہ واضح رہے کہ مذکورہ حدیث میں آسانی اور سہولت کا ذکر ہے یہ نہیں ہے کہ انسان دوسرے مؤثرات کی بنا پر اس کے خلاف کر ہی نہیں سکتا ہے۔

گذشتہ قوموں کے تذکرہ سے وراثت پر استدلال زیر بحث آیت کے علاوہ قرآن حکیم میں بکثرت بگڑی ہوئی قوموں کے آبار واجداد کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے موجودہ لوگوں کی روش پر استدلال کیا گیا ہے مثلاً یہودیوں کے ذکر میں ان کے آبار واجداد کا تذکرہ اور نصاریٰ کے بیان میں ان کے آبار واجداد کے حالات کا ذکر وغیرہ اس قسم کے تمام مواقع میں منجملہ اور باتوں کے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود رہے کہ ہر قوم کسی نہ کسی حد تک اپنے عہد گذشتہ کا خلاصہ ہوتی ہے اور کچھ صلاحیتیں اور خاصیتیں بطور وراثت منتقل ہوتی ہیں جن کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا ہر انقلابی و اصلاحی تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی طرز معاشرت، رسم و رواج وغیرہ زندگی کے مظاہر پر وراثت کا جو اثر پڑتا ہے اس کا ادنیٰ اشارہ ان آیتوں میں موجود ہے۔

قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اباءنا ۵/۱۰۴	وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی طریقہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔
قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا ۲/۱۰۷	وہ کہتے ہیں کہ ہم اس طریقہ پر چلیں گے جس پر اپنے بوڑھوں کو چلتے ہوتے پایا ہے۔

[1] لغات القرآن۔

قالوا بل وجدنا اٰباءنا کذلک یفعلون — وہ کہتے ہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے

ان آیتوں میں وراثت کے ثبوت کی طرح ماحول کا بھی ثبوت ملتا ہے کیوں کہ طرزِ معاشرت اور رسم و رواج میں ماحول کا کافی اثر پڑتا ہے۔

مظاہر کے ساتھ قوموں کو کس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور ان سے کتنی خوش اور مطمئن رہتی ہیں اس کا ذکر درج ذیل آیتوں میں ہے۔

کل حزب بما لدیھم فرحون ۲۳/۳۲ — ہر گروہ کے پاس جو مذہب و مشرب ہے وہ اس پر خوش ہے

وجدنا اٰباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ اٰثارھم مقتدون ۲۳/۲۳ — ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین و آئین پر پایا انھیں کے نقش قدم کی اقتدا کرتے ہیں۔

ایک جگہ علیٰ اٰثارھم لمھتدون ۲۲/۴۳ ہے — انھیں کے قدموں پر ہم راستہ پائے ہوئے ہیں۔

احادیث میں بھی وراثت کا ثبوت ملتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان سے بھی وراثت کا ثبوت ملتا ہے

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ[1]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ (خاندان) اس کو یہودی، نصرانی، مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

اس حدیث سے وراثت اور ماحول دونوں پر روشنی پڑتی ہے۔

الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ[2] — لوگ کان ہیں سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح (ان کانوں سے مختلف قسم کے لوگ نکلتے ہیں)

یہ تشبیہ نہایت دوررس اور نتیجہ خیز ہے اس میں جس قدر آپ غور کریں گے حقیقت کھلتی جائے گی اور غور و فکر کے لئے نئے میدان سامنے آتے جائیں گے جس سے اصلاح و تربیت کے مسائل حل کرنے میں سہولت ہوگی۔

الود یتوارث والبغض یتوارث[3] — محبت اور بغض وراثۃً چلتے ہیں

---

[1] بخاری و مسلم [2] مسلم، مشکوٰۃ کتاب العلم [3] کنز العمال

اسی طرح رسول اللہ نے غصہ کے سلسلہ میں لوگوں کی مختلف قسمیں گنائی ہیں، مثلاً

(۱) بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

(۲) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔

(۳) بعض کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد ٹھنڈا ہوتا ہے۔

(۴) اور بعض کو جلد غصہ آتا ہے اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا ہے[1]

ایسے ہی رسول اللہ نے کسی سے مطالبہ کرنے اور قرض کے ادا کرنے میں لوگوں کی مختلف قسمیں بتائی ہیں جس سے طبیعت کے اختلاف کی طرف نشاندہی ہوتی ہے مثلاً آپ نے فرمایا

۱۔ بعض قرض کی ادائیگی میں اچھے ہوتے ہیں اور اپنا مطالبہ کرنے میں برے (سخت) ہوتے ہیں

۲۔ بعض ادائیگی میں بُرے ہوتے ہیں اور مطالبہ میں نرم ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض ادائیگی میں اچھے ہوتے ہیں اور مطالبہ میں بھی اچھے ہوتے ہیں۔

۴۔ بعض ادائیگی میں بُرے ہوتے ہیں اور مطالبہ میں بھی بُرے ہوتے ہیں[2]۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مذکورہ صفتوں کی پیدائش اور اختلاف میں صرف وراثت ہی کو دخل ہے اور کسی چیز کو دخل نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے جذباتی اوصاف میں اور چیزوں کی طرح وراثت کو بھی دخل ہے جس طرح یہ ضروری نہیں ہے کہ بچہ ہر حیثیت سے صورت و شکل میں اپنے خاندان اور والدین کے مشابہ ہو بعینہٖ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر اچھے بُرے اوصاف میں وہ اپنے پیش روؤں کا مرہونِ منت ہو ع۔

ع۔ بہت سے اجتماعیین اور نفسیین وراثت کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں ان کے دلائل اس سلسلہ میں بہت دور تک چلے گئے ہیں لیکن اخلاقیاتی مباحث اور قانونِ کسب و ریاضت اتنی اہمیت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں ان کے زیادہ اہمیت دینے کی بنیاد وہ تجربہ ہے جو رصدگاہوں میں چوہے اور بندر وغیرہ حیوانات پر کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ انسان کے بارے میں ہر موقع پر یہ تجربے کس طرح قطعی و حتمی قرار دئے جا سکتے ہیں؟ اصل یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے انسان کو جس نگاہ اور بلندی کے ساتھ دیکھا ہے بدقسمتی سے تحقیقات کی دنیا کے پاس نہ وہ بلندی ہے اور نہ وہ نگاہ جس کی بنا پر کہیں افراط و تفریط سے حفاظت نہیں ہو سکی ہے۔

[1] ترمذی و مشکوٰۃ۔ [2] حوالہ بالا۔

تیسرا ماحول ہے

انسان اپنے ماحول سے بہت کچھ سیکھتا اور حاصل کرتا ہے

ماحول کی دو قسمیں ہیں (۱) مادی اور (۲) اجتماعی ۔ مادی ماحول میں زندگی کی تمام ضروریات اور تفریحات داخل ہیں مثلاً زمین ۔ فضاء ۔ آب و ہوا دریا ۔ نہر ۔ مکان ۔ باغ وغیرہ ۔

اور اجتماعی ماحول میں تمام وہ چیزیں داخل ہیں جو مدنیت اور تمدن سے پیدا ہوتی ہیں اور زندگی پر اثر ڈالتی ہیں مثلاً مدرسہ ۔ تعلیم ۔ اخلاق ۔ معتقدات و افکار ۔ ادب ۔ فن ۔ پیشہ وغیرہ

انسان شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنے گرد و پیش کی تمام مادی و اجتماعی چیزوں کا اثر قبول کرتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ چیزیں اس کی طبیعت اور مزاج میں دخیل بن کر سوچنے سمجھنے کے ڈھنگ میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہیں جس کا اثر اعمال و اخلاق میں نمایاں ہوتا ہے[1]

غور سے دیکھا جائے تو ماحول دوسرے مؤثرات سے قوی معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ نفسی قویٰ اور قدرت کی ودیعت کی ہوئی صلاحیتوں کو نشو و نما پانے کا موقع ملتا ہے حتیٰ کہ خود وراثت ماحول سے کافی متاثر ہوتی ہے کیوں کہ جن خاصیتوں اور صلاحیتوں کو ہم کہتے ہیں کہ بطور

---

[1] ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس مسئلہ پر کافی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ جسم و اخلاق پر اقلیم درجۂ حرارت ۔ آب و ہوا قحط و ارزانی وغیرہ سب کا اثر پڑتا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں

تین چیزیں مجتمع سے الگ ہونے کے باوجود اس پر بہت اثر کرتی ہیں (۱) اقلیم (۲) جغرافیانہ ماحول (۳) مذہب ۔۔

اجسام بشری اور اخلاق انسانی میں حرارت کے مختلف درجوں (اقالیم) کا اثر پڑتا ہے (مقدمہ ابن خلدون المقدمۃ الخامہ وغیرہ)

لیبان نے مادی ماحول کو کمتر درجہ کا مؤثر قرار دیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے "آب و ہوا اور جغرافیانہ حدود و حالات اور مقامی خصوصیات کا اثر صرف اس وقت پڑتا ہے جب کوئی قوم اپنے دور تکوین میں ہوتی ہے اور اس کے قدیم موروثی اخلاق کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے قدیم قوموں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے" البتہ اجتماعی ماحول کو کافی اہمیت دی ہے مثلاً مذہب کے بارے میں کہتا ہے "تاریخ کے ابتدائی زمانہ سے آج تک ہر نظام حکومت اور ہر نظام تمدن کا سنگ بنیاد مذہبی عقاید کی سطح پر رکھا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مذہب اس سرعت کے ساتھ اخلاق پر اثر ڈالتا ہے کہ اس معاملہ میں عشق کے سوا کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے (انقلاب الامم ص ۱۳ و ۳۸ و ۱۳۰ و ۱۳۱)

لیکن لیبان کے علاوہ ارسطو ۔ بقراط ۔ ابن سینا ۔ ادیب ۔ جاحظ ۔ فیلسوف کندی (تیسری صدی ہجری) اور

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

وراثت منتقل ہوتی ہیں اگر ان کی تحلیل کی جائے تو اکثر و بیشتر حصہ ماحول کا پیدا کردہ دکھائی دے۔

ماحول کے قوی اثر ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ لبسا اوقات بازاری اور بد اخلاق لوگوں کے بچے عمدہ ماحول کی بدولت علم و اخلاق میں عظیم الشان ترقی حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح مہذب و با اخلاق لوگوں کے بچے خراب ماحول کی بنا پر خاندانی اوصاف تک کھو بیٹھتے ہیں۔[۱]

قرآنِ حکیم کی درج ذیل آیات میں ماحول کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآنِ حکیم سے ماحول کا ثبوت

والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه والذی خبث لایخرج الا نکدا (۵۸/۷)

اور جو پاکیزہ شہر ہے رب کے حکم سے وہاں سبزہ نکلتا ہے اور جو خراب ہے نہیں نکلتا ہے مگر ناقص۔

نبات کا ماحول زمین اور اس سے متعلق اشیا ہیں جب یہ اچھی مل گئیں تو اس کی سرسبزی و تروتازگی عجیب و غریب سماں پیدا کر دیتی ہے اور جب یہ چیزیں خراب اور ناقص ہوئیں تو اس کے ہر وصف میں نقصان اور خرابی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔

واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرنها تدميرا (۱۶/۱۷)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش حال لوگوں کو "حکم" دیتے ہیں (احکام پہنچا دیتے ہیں) پھر وہ تعمیل کرنے کے بجائے نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں پس ان پر عذاب کا قانون لاگو ہو جاتا ہے اور پاداشِ عمل میں انھیں ہلاک و برباد کر ڈالتے ہیں۔

"مترفیها" میں تمام وہ لوگ داخل ہیں جن کا اثر عوام پر پڑتا ہے خواہ وہ مذہبی و سیاسی لیڈر ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مؤرخ مسعودی چوتھی صدی ہجری اور فرانسیسی مصنف "مونتیسکو" وغیرہ نے نظریۂ اقلیم کو کافی اہمیت دی ہے اور ان میں بعضوں نے تو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی ہے (ملاحظہ ہو ابن خلدون از ڈاکٹر طٰہٰ) [۱] اسی بنا پر پستالوزی کہتا ہے کہ ہم نے جہاں تک دیکھا انسان کو اپنے ماحول کے اثر سے بنتے دیکھا (فلسفۂ تمدن و تعلیم)

یا سرمایہ دار خوشحال لوگ یا ان کے علاوہ کوئی ہو جب یہ بڑی ناک والے کوئی کام کرتے ہیں تو لازمی طور سے اس کا اثر جمہور پر پڑتا ہے اس بناء پر یہ لوگ تربیت و اصلاح کے اولین مخاطب ہوتے ہیں۔

آیت میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کیوں کہ جب یہ لوگ نافرمانی اور سرکشی پر اُتر آتے ہیں تو ان کی وجہ سے پورا ماحول بگڑ جاتا ہے اور ان کے زہر سے پوری فضا مسموم ہو جاتی ہے اور بالآخر تباہی بربادی کا پروانہ آجاتا ہے خراب ماحول کا اثر ثانوی ہوتا ہے کہ "احسن تقویم" پر پیدا کیا ہوا انسان اس کی بدولت "اسفل سافلین" میں جا گرتا ہے

ثم رددنٰہ اسفل سافلین [۹۶] پھر ہم نے اس کو سب سے نچلے درجہ میں لوٹا دیا۔

یہ مطلب نہیں کہ انسان ماحول کے آگے بالکل بے بس اور مجبور ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر انسان قدرت کی دی ہوئی صلاحیت عقل و ارادہ کی طاقت سے کام نہ لے تو قوت بہیمیہ و شہوانیہ کو برگ و بار لانے کا خراب ماحول کافی موقع فراہم کر دیتا ہے اور بالآخر اسفل سافلین میں جا گراتا ہے۔

رسول اللہ کی حدیث سے ماحول کا ثبوت

درج ذیل حدیث سے ماحول کی قوت کا ثبوت ملتا ہے۔

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ و یمجسانہ [۱]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین (ماحول) اس کو یہودی نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

مادی ماحول کا ثبوت اس حدیث میں ہے۔

ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض فجاء منھم الاحمر والابیض والاسود و بین ذلک والسھل والحزن والخبیث والطیب [۲]

اللہ نے دنیا کے ہر حصّہ سے مٹھی بھر خاک لی اور اس سے آدم کو پیدا کیا اس لئے انسان زمین کے اختلاف سے مختلف رنگ اور مختلف اخلاق کے پیدا ہوئے بعض سرخ بعض سفید بعض سیاہ بعض متوسط درجہ کے اور بعض نرم اور بعض سخت بعض اچھے اور بعض بُرے۔

مختلف آب و ہوا اور مختلف ملک کے باشندوں میں رنگوں کا اختلاف تو ظاہر ہے طبیعت، مزاج اور اخلاق کے مظاہرہ میں بھی کافی فرق ہوتا ہے جس کا سمجھنا ہر تحریک کی کامیابی کے لئے ضروری ہے جس طرح شہری اور دیہاتی کے مزاج میں نسبتہً نرمی اور خشونت وغیرہ کا فرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ نے فرمایا۔

من سکن البادیۃ جفا [۳] جس شخص نے دیہات میں سکونت اختیار کی اس کے مزاج میں سختی آگئی۔ (باقی آئندہ)

[۱] بخاری و مسلم [۲] ترمذی و ابو داؤد [۳] ابو داؤد و ترمذی

ادبیات

نالۂ سحری

(از جناب اکمؔ مظفر نگری)

جنوں وعقل کے ہیں شیوہ ہائے فتنہ گری — مذاقِ بخیہ گری ہو کہ شغلِ جامہ دری
یہ بے خودیٔ شبِ عیش تابہ کے جاگو — ہوا طلوع وہ دیکھو سپیدۂ سحری
نگاہِ ناز کے سیراب ہو چکے ٹھنڈے — تڑپ رہا ہے ابھی تک خرابِ کم نظری
قدم قدم پہ نہ مجھ کو نویدِ منزل دے — حریفِ شوق نہ بن مدعیٔ راہ بری
کچھ انقلاب کے آثار ہیں فضاؤں میں — الٰہی اور بڑھے عمرِ نالۂ سحری
تو صبح و شام اسیری کی روئداد نہ پوچھ — قفس ہے میں ہوں اور اک عالمِ شکستہ پری
سرشکِ غم ہے ادھر ضوفگن سرِ مژگاں — اُدھر فلک پہ ہے روشن ستارۂ سحری
تری نگاہِ تجلی شناس ہو تو دیکھ — پسِ حجابِ دوعالم کسی کی جلوہ گری
زمیں پہ دیکھئے کب تک جگائے گا فتنے — نجوم چرخ کا راتوں کو شوقِ نغمہ گری
نگاہِ شوق تو کم حوصلہ نہیں لیکن — فریبِ جلوہ سے بڑھتی ہے میری بے خبری
گلوں پہ کون گلستاں میں اعتبار کرے — جنونِ عشق کی کرتے ہیں خود یہ پردہ دری
نفس نفس میں ہیں بیدار آتشیں نغمے — لہو ترنگ ہے ہر لحظہ کاوشِ جگری
تو میرے سوزِ جگر کے تصرفات کو دیکھ — برنگِ شعلہ بھڑکتی ہے آنسوؤں کی تری
جو ماورائے تعین گیا ہے لے کے مجھے — کسے خبر ہے کہ وہ تھا کمالِ بے خبری
اسی سے عزمِ جواں میں ہوئی خودی پیدا — بنا گئی ہے مجھے تو فغاں کی بے اثری
مریضِ عشق نہ کیوں بے نیازِ درماں ہو — کہ راس نہ آسکی اس کو سعیٔ چارہ گری
نگاہِ شوق کو مژدہ کہ بعد مدت پھر — فرازِ طور پہ ہے اہتمامِ جلوہ گری
کھلیں گے اس پہ وجود و عدم کے رازِ نہاں — ادا شناسِ حقیقت ہے جس کی دیدہ وری
تو مصلحت پہ نہ کر راہِ عشق میں تکیہ — یہاں تو کام اگر آئے گی تو بے جگری
ہنر فروش مری پستیوں کو دیکھتے ہیں — بہت بلند ہے میرا مقام بے ہنری

بتاؤ بارِ امانت کو کون اٹھا لیتا
اگر قبول نہ کرتا اکمؔ یہ دردِ سری

"فرمودۂ قرآں!"

(از زہرۂ سخن سیدہ اختر)

اے مردِ مسلماں ارے او مردِ مسلماں؟ اے بے خبر عظمتِ "فرمودۂ قرآں"!
اے وہ کہ نہیں جس کو کچھ آگاہیِ امروز! اے وہ کہ جسے مشکلِ فردا نہیں آساں!
اے وہ کہ حقیقت ہے فقط جس کی فسانہ! اور پھر وہ فسانہ نہیں جس کا کوئی عنواں!
اے وہ کہ جو تھا حق و صداقت کا طرف دار! ہے آج وہی حق و صداقت سے گریزاں!
اے وہ کہ سبک قلب و سبک حال و تنک تال! اے وہ کہ گراں گیر و گراں بخت و گراں جاں!

سن گوش توجہ سے ذرا وقت کی آواز!
"کیا ہو گئی وہ جرأتِ بے باک مسلماں"؟

کیا ہو گئے وہ حق و صداقت کے ترانے؟ کیوں بجھ سی گئی آج تری مشعلِ ایماں؟
کیوں جوش نہیں رقص نہیں تیرے لہو میں؟ کیوں تیری نگاہوں میں نہیں روحِ گلستاں؟
کیوں حادثۂ وقت سے بیدار نہیں تو؟ کیوں شورشِ امروز نہیں تیری رگِ جاں؟

تو نے نہ سنا گوشِ توجہ سے کسی دن؟!
اختر ہوئی تیرے لئے کیا کیا نہ غزل خواں؟

غزل

(از جناب شمس نوید)

قسمت کوئی راز نہیں ہے کیا کوشش غماز نہیں ہے!
غم سے ملی راحت کی تمنا سوز ہے پہلے ساز نہیں ہے
درسِ محبت دل ہے کہ جس میں دھڑکن ہے آواز نہیں ہے
اشکِ خموشی خونِ تبسم غم کا کوئی انداز نہیں ہے
عشق وہاں تک خام سمجھئے حسن کو جب تک ناز نہیں ہے
ایسی بھی ہے ایک کہانی جس کا کوئی آغاز نہیں ہے!
شوق وہاں تک لے اڑتا ہے اپنی جہاں پرواز نہیں ہے
نور بھی اک ظلمت ہے جب تک چشمِ بصیرت باز نہیں ہے
عجز کے سجدوں نے سمجھایا عظمت سر افراز نہیں ہے
رنج شکستِ نغمہ ہے لیکن رنج شکستِ ساز نہیں ہے

میرے نغمے تیری عطا ہیں
شعر مرا اعجاز نہیں ہے

تبصرے

امین الصیغہ از مولانا ابو عبیدہ صاحب تقطیع کلاں ضخامت ۱۱۲ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت عمر پتہ :- امین بک ڈپو - پیلی کوٹھی - بنارس - یوپی -

علم الصیغہ فارسی زبان میں عربی علم الصرف کا مشہور رسالہ ہے اس کے مصنف مولانا مفتی عنایت احمد صاحب رح اپنے زمانہ کے صرف مشہور فاضل اور مختلف علوم دینیہ وعصریہ کے جید عالم و مبصر ہی نہیں بلکہ بلند پایہ مجاہد بھی تھے اور اسی جہادنی سبیل الوطن کی پاداش میں انڈمان میں نظر بند کر دئے گئے تھے، چنانچہ یہ رسالہ بھی موصوف نے اسی زمانۂ نظر بندی میں لکھا تھا۔ ۱۲۷۹ھ میں ۵۱ برس کی عمر میں جدہ کے قریب جہاز کو جس میں مولانا رہائی کے بعد وطن آنے کے لئے سفر کر رہے تھے سخت حادثہ پیش آیا اور مولانا نے غرق ہو کر جام شہادت نوش فرمایا - مولانا کے علم الصیغہ کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ کوئی مدرسہ عربیہ اس کے درس سے خالی نہ ہوگا - چوں کہ آج کل فارسی زبان کا ذوق مفقود ہوتا جاتا ہے اس لئے مولانا ابو عبیدہ صاحب نے اس کو اردو کا جامہ پہنا دیا ہے تاکہ فقط اردو خواں بھی اُس سے فائدہ اٹھا سکیں - ترجمہ بہت صاف سلیس اور عام فہم ہے شروع میں مترجم کے قلم سے اصل مصنف کتاب کے حالات اور اُن کے علمی کمالات کا ذکر ہے امید ہے کہ ضرورت مند اصحاب اُس سے فائدہ اُٹھائیں گے -

۱- ننھا سردار
۲- اصحاب کہف
۳- بھٹکا ہوا شکاری
۴- معمل زر
۵- سونے کا دریا

از مولانا عبید الحق صاحب ضخامت از ۴۰ تا ۴۶ کتابت وطباعت اعلیٰ تقطیع خورد قیمت ۶؍ پتہ :- الملکیۃ العلمیہ ۱۵- لیک روڈ - لاہور دار المعارف مصر نے بچوں کے لئے اخلاقی اور مفید کہانیوں کا ایک مفید سلسلہ چھاپا ہے جس کو عربی زبان کے تین ادیبوں نے مرتب کیا ہے - یہ پانچوں رسالے انھیں عربی رسالوں کا اردو ترجمہ ہیں - ترجمہ سلیس اور عام فہم ہے جس کو بچے آسانی سے سمجھ سکتے ہیں - اور حکایات سب اخلاقی بھی ہیں اور بچوں

کی عام معلومات میں اضافہ کرنے والی بھی ہیں۔ اس لئے اردو زبان کے بچے اور بچیاں ان سے بے تکلف فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

سچی باتیں حصہ چہارم | از انوار الحسن صاحب ایم۔اے تقطیع خورد ضخامت ۴۸ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت ۶ر پتہ :۔ وہی مذکورۂ بالا۔

یہ رسالہ بھی بچوں اور بچیوں کے لئے لکھا گیا ہے جس میں اسلامی اخلاق وکردار پر چند سبق ہیں اور ہر سبق کے آخر میں سبق سے متعلق کچھ سوالات بھی ہیں۔ یہ رسالہ مکاتب کے نصاب میں شامل ہونے کے لائق ہے۔

حضرت ابوذر غفاری اشتراکی نہ تھے | از جناب اختر علی صاحب ندوی تقطیع خورد ضخامت ۷۲ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۰ر پتہ :۔ مکتبۂ جامعۃ الہیات چمن گنج کانپور۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری بھی کمیونسٹ تھے۔ یہ رسالہ اسی بات کی تردید میں لکھا گیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری پر مولانا مناظر احسن گیلانی نے القاسم دیوبند کے دور اول میں مسلسل ایک طویل مقالہ لکھا تھا جو بعد میں مولوی محمد طاہر مرحوم نے کتابی صورت میں چھاپ دیا تھا زیر تبصرہ رسالہ میں حضرت ابوذر غفاری کے مختصر حالات بیان کرنے کے بعد اشتراکیت اور اسلام کا فرق واضح کیا گیا ہے اور اُس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آپ اشتراکی نہیں تھے ہمارے خیال میں حضرت ابوذر اصطلاحی معنی کے اعتبار سے اشتراکی یا کمیونسٹ تو یقیناً نہیں تھے۔ لیکن بہر حال معاشی اور اقتصادی مسائل میں سوشلسٹ اصول کے حامی ضرور تھے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب نمبر کیا ہے | از جناب حاجی محمد زبیر صاحب تقطیع خورد ضخامت ۱۸ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ :۔ فرحت منزل بدر باغ۔ علی گڈھ

حاجی محمد زبیر صاحب مسلم یونیورسٹی کے بہت پُرانے اسسٹنٹ لائبریرین ہیں۔ انھوں نے اس دیرینہ تجربہ سے دوسرے لوگوں کو مستفید کرنے کی غرض سے فن لائبریری پر مختلف عنوانات کے ماتحت چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھنے کا پروگرام بنایا ہے یہ کتاب اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جو واقعی

بقول مصنف اُردو میں پہلی کوشش ہے اس میں کتاب نمبر کی ضرورت ۔ اس کا کام ۔ اس کی ایجاد ۔ لبشیرالدین اسکیم وغیرہ پر گفتگو کرنے کے بعد کتاب نمبر بنانے کا قاعدہ اور اُس کے اصول بڑی شستہ زبان میں بیان کئے گئے ہیں اور آخر میں اس سے متعلق بعض مفید مشورے دئے گئے ہیں ۔ یہ کتاب بقامت کمتر اور بقیمت کہتر کا مصداق ہے ۔ فن لائبریری کے طلباء کے علاوہ عام ارباب ذوق جو اپنی چھوٹی موٹی لائبریریاں رکھتے ہیں اُن کے لئے اس کا مطالعہ مفید اور ضروری ہے ۔

آج کل کا موسیقی نمبر مرتبہ جناب عرش ملسیانی و مظفر شاہ صاحبان ضخامت ۱۴۰ صفحات کتابت وطباعت اعلیٰ قیمت عہ پتہ :۔ پبلیکیشن ڈویژن پوسٹ بکس ۲۰۱۱ دہلی ۔

یہ حکومت ہند کے مشہور و معروف اُردو ماہنامہ آج کل کا خاص نمبر ہے جس میں فن موسیقی کی تاریخ ۔ اُس کی مختلف قسمیں اور شاخیں ۔ اُن کی خصوصیات، عہد حاضر کے مشہور ارباب فن کا تذکرہ مع ان کے فوٹو کے ۔ اس فن کے مختلف مرکز اور ان کے فنی مختصات ان سب پر سیر حاصل مضامین نظم و نثر ہیں ۔ جو لوگ اس فن کے متعلق نظری معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ نمبر بڑے کام کی چیز ہے اور اس حیثیت سے آج کل کے گذشتہ نمبروں کی طرح یہ نمبر بھی اپنے موضوع اور مقصد میں بہمہ وجوہ کامیاب ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کا فن موسیقی اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہے اور اُس کی شاخیں اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ کسی ماہنامہ کا ایک نمبر اُن سب کا احاطہ نہیں کرسکتا ۔

اسلامی زندگی مع اسلامی دوامی جنتری مرتبہ جناب نسیم احمد صاحب علوی تقطیع خورد ضخامت ۷۲ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت درج نہیں پتہ :۔ مدرسۂ نور محمدیہ قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ۔ یوپی

اس کتاب میں وہ اسلامی آداب دفعہ وار بیان کئے ہیں جن کی ضرورت ہر مسلمان کو عبادات معاملات اور معاشرت میں پیش آتی ہے آخر میں ایک باب ہے جس میں اخلاقی تعلیمات سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سلیس اور عام فہم اُردو میں لکھ دئے گئے ہیں، ساتھ ہی

ایک اسلامی دوامی جنتری بھی ہے جس میں ہر انگریزی مہینہ پر طلوع وغروب وغیرہ کا وقت بیان کیا گیا ہے لیکن ظاہر ہے یہ جنتری ہر ایک مقام کے لئے کارآمد نہیں ہو سکتی۔ بہرحال اتر پردیش کے اکثر مقامات میں یہ کارآمد ہوگی اور دوسرے مقامات کے لوگ عرض البلد کو دیکھ کر اوقات کا تعین کر سکتے ہیں

سلاطینِ ہند کی علم پروری از جناب محمد حفیظ اللہ صاحب تقطیع خورد کتابت وطباعت متوسط ضخامت ۱۶۸ صفحات قیمت غیر مجلد ۱۲؍ پتہ مسلم اکاڈمی۔ پھلواری شریف (پٹنہ)

ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے اس ملک کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کے صفحات کے انمٹ نقوش ہیں انھوں نے جہاں اور خدمات انجام دیں ایک بڑی خدمت یہ بھی کہ بلا تفریق مذہب و ملت انھوں نے ہر قوم کے علما اور فضلار کی قدردانی کی ان کے خوانِ کرم سے جہاں عربی و فارسی کے علمار نے فیض اٹھایا۔ سنسکرت اور بھاشا کے فضلار بھی اس سے محروم نہیں رہے ان کی ان علمی قدردانیوں کے صدہا واقعات بڑی بڑی ضخیم کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں انھیں واقعات کو خاندان وار مرتب کر دیا گیا ہے۔ حاشیہ میں ماخذ کا حوالہ بھی مذکور ہے۔ زبان آسان اور عام فہم ہے۔ اُردو سے زیادہ ایسی کتابوں کی اشاعت ہندی میں ہونی چاہیئے۔

وحی الٰہی

تالیف مولانا سعید احمد صاحب ایم۔اے رفیق ندوۃ المصنفین

وحی اور اس سے متعلقہ مباحث پر محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر ایسے دل پذیر و دل کش انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سما جاتا ہے اور حقیقتِ وحی سے متعلق تمام خلشیں صاف ہو جاتی ہیں۔ کاغذ نہایت اعلیٰ، کتابت نفیس ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی، طباعت عمدہ، صفحات ۲۰۰ قیمت ۲؍ مجلد للعہ

ندوۃ المصنفین کی تاریخی کتابیں

غلامانِ اسلام

اسّی سے زیادہ غلامانِ اسلام کے کمالات وفضائل اور کارناموں کا ایمان افروز بیان۔
قیمت پانچ روپے آٹھ آنے۔ مجلد چھ روپے آٹھ آنے۔

تاریخ اِسلام پر ایک نظر

تاریخ اسلام کے تمام ادوار کے ضروری حالات دواقعات کی تفصیل تاریخ نویسی کے جدید تقاضوں کو سامنے رکھ کر، اسلوبِ بیان نہایت ہی دل نشین۔
قیمت چھ روپے۔
مجلد چھ روپے آٹھ آنے۔

مسلمانوں کا نظم مملکت

مسلمانوں کے نظامِ حکمرانی کی بصیرت افروز تاریخ، جس میں مسلمانوں کے آئینِ جہانبانی کے تمام شعبوں سے متعلق نہایت صاف اور روشن معلومات دی گئی ہیں۔
قیمت چار روپے۔ مجلد پانچ روپے۔

تاریخ مشائخ چشت

سلسلۂ چشت کے صوفیائے کرام کی محققانہ تاریخ اور ان کے نظامِ اصلاح وتربیت کا مکمل تذکرہ لائق مطالعہ کتاب۔
قیمت بارہ روپے۔ مجلد تیرہ روپے۔

عرب اور اسلام

ڈاکٹر حِتی کی مشہور ومعروف کتاب کا آسان اور نفیس ترجمہ۔
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد چار روپے آٹھ آنے۔

حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے

قرونِ وسطیٰ کے حکمائے اسلام، سائنس دانوں اور فلاسفروں کے بے مثال علمی کارناموں کا بیان۔ قیمت جلد اول مجلد ۱۲/عہ
قیمت جلد دوم مجلد ۱۲/ہے
مکمل سیٹ مجلد ۱۲/ہے

مسلمانوں کا عروج اور زوال

جدید ایڈیشن (اپنے موضوع پر ایک اچھوتی کتاب) جس میں خلافت راشدہ کے دور سے لے کر ہندوستان کے عہدِ حکمرانی تک مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کا محققانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔
قیمت چار روپے۔ مجلد پانچ روپے۔

تاریخ اسلام نو جلدوں میں

تھوڑے وقت میں تاریخ اسلام پڑھنے والوں کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔ تاریخ ملت کے یہ تمام حصے مستند ومعتبر بھی ہیں اور جامع ومکمل بھی، طرزِ بیان نہایت شگفتہ ورواں، ترتیب دل نشین۔

نبی عربی صلعم قیمت بلا جلد عہ
خلافت راشدہ " ۱۲/ہے
خلافت بنی امیہ " ۱۲/ہے
خلافت ہسپانیہ " ۱۲/عہ
خلافت عباسیہ اوّل بلا جلد ۱۲/ہے
خلافت عباسیہ دوم " ۱۲/للعہ
تاریخ مصر ومغرب اقصیٰ " ۱۲/ہے
خلافت عثمانیہ " ۱۲/ہے
تاریخ صقلیہ بلا جلد قیمت عہ/
قیمت مکمل سیٹ غیر مجلد ۲۵/عہ
مجلد " " ۲۷/عہ

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح

شیخ محدث کے کمالات وفضائل کا صاف وشفاف نقشہ اور اس دور کی بصیرت افروز تاریخ۔ قیمت سے مجلد عہ

منیجر ندوۃ المصنفین اُردو بازار جامع مسجد دہلی

Registerd No. D. 183

ندوۃ المصنفین کی ممبر شپ

۱- لائف ممبر کم سے کم ایک ہزار روپے یک مشت مرحمت فرمانے والے اصحاب اس حلقے میں شامل کئے جاتے ہیں، ایسے اربابِ ذوق کی خدمت میں بُرہان اور مکتبہ بُرہان اور ادارے کی تمام مطبوعات پیش کی جاتی ہیں، کتابوں کی جلد پر لائف ممبر کا نام نامی سنہری حرفوں سے ثبت کیا جاتا ہے۔

۲- معاونین خاص کم سے کم سو روپے سالانہ مرحمت فرمانے والے اصحاب حلقۂ معاونینِ خاص میں داخل کئے جاتے ہیں اور ان کی یہ اعانت عطیۂ خالص کے طور پر قبول کی جاتی ہے، ان حضرات کی خدمت میں بھی سال کی تمام مطبوعات اور بُرہان بغیر کسی معاوضے کے پیش کیا جاتا ہے۔

۳- معاونین اس حلقے کی سالانہ فیس تیس روپے ہے، معاونین کی خدمت میں سال بھر کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور بُرہان کسی مزید معاوضے کے بغیر پیش کئے جاتے ہیں۔

۴- معاونینِ عام معاونینِ عام کی سالانہ فیس بیس روپے ہے، ان کو سال کی تمام غیر مجلد مطبوعات دی جاتی ہیں اور بُرہان بلاقیمت دیا جاتا ہے۔

۵- احبّاء حلقۂ احبّاء کی سالانہ فیس دس روپے ہے، ان کی خدمت میں بُرہان بلاقیمت پیش کیا جاتا ہے اور ان کی طلب پر ایک فیس کے بدلے میں ایک سال کی غیر مجلد مطبوعاتِ ادارہ نصف قیمت پر دی جاتی ہیں۔

قواعدِ رسالہ بُرہان

(۱) بُرہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں بُرہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیمت بھیج دیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتبار نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپے۔ دوسرے ملکوں سے گیارہ شلنگ (مع محصول ڈاک)، فی پرچہ ۱۰ر آنے۔

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

حکیم مولوی محمد ظفر احمد پرنٹر و پبلشر نے الجمعیۃ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر بُرہان دہلی سے شائع کیا۔